احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جنوری 2021ء

دعوتِ دین کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

حضور نبی اکرم ﷺ: پیغمبرِ امن و سلامتی

کورونا وائرس کے مضر اثرات سے حفاظت

احتیاطی تدابیر پر مبنی شیخ الاسلام کی خصوصی گفتگو

رموزِ حیات

عملی اور فکری لغزشوں سے حفاظت کیونکر ممکن ہے؟

سوشل میڈیا کا منفی استعمال اور اسلامی اقدار کا زوال

منہاج یوتھ لیگ کا 32واں یوم تاسیس

چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا خطاب

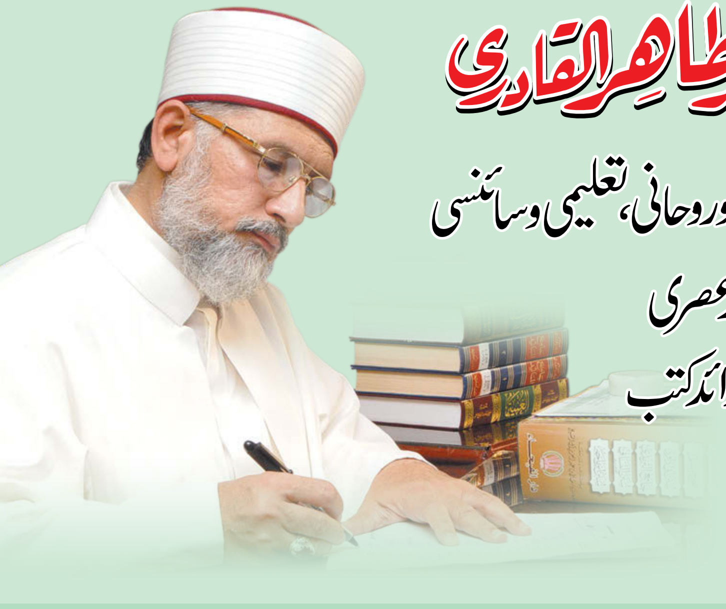

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی

فقہی و قانونی، انقلابی و فکری اور عصری

موضوعات پر 600 سے زائد کتب

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 35 شمارہ: 1 | ۱۴۴۲ھ جمادی الاول/جمادی الثانی | جنوری 2021ء

حسنِ ترتیب

اداریہ: اگر موقف واضح اور ارادہ پختہ ہو تو۔۔۔	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: تبلیغِ دین کے روّیوں پر نظرِ ثانی کی ضرورت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	5
دورۂ علوم الحدیث (نشست: سوم، حصہ: 2)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	11
الفقہ: محبتِ اولیاء کے ثمرات اور اولیاء کی بنیادی صفات	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	15
حضور نبی اکرم ﷺ: پیغمبرِ امن وسلامتی	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	18
رموزِ حیات	شفاقت علی شیخ	23
کورونا وائرس کی روک تھام: شیخ الاسلام کی ہدایات	خصوصی مضمون	29
کلماتِ حکمت	عین الحق بغدادی	33
سوشل میڈیا کا منفی استعمال اور اسلامی اقدار کا زوال	محمد اقبال چشتی	35
یومِ تاسیس منہاج القرآن یوتھ لیگ	خصوصی رپورٹ	39

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصراللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، علامہ شہزاد مجددی، محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے | سالانہ خریداری: 350 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

میرا خدا ہے خالق و معبودِ کائنات
پروردگارِ ہستیِ موجودِ کائنات

مخفی نہیں ہے ذرّہ بھی اُس پاک ذات سے
اُس کے مشاہدے میں ہے مشہودِ کائنات

ہر خیر ہے اُسی کے کرم سے ہمیں نصیب
دستِ کرم سے اُس کے ہے بہبودِ کائنات

اُس نے بنا کے رحمتِ عالم حضورؐ کو
کردی ہے اُنؐ کی دست نگر جودِ کائنات

اُس کے ظہورِ ذات سے ہستی کو ہے فروغ
ممنوں اُسی کے فضل کی ہے بودِ کائنات

مسعودِ کائنات ہے جو اُس کی مان لے
منکر ہے اُس کے حکم کا مردودِ کائنات

محوِ سجود گرچہ رہیں ہم تمام عمر
پھر بھی ہے کم تشکرِ مسجودِ کائنات

ارشدؔ ہے اہتمامِ ثنا اُس کے واسطے
ہر طرح جس کی ذات ہے محمودِ کائنات

﴿حکیم ارشد محمود ارشد﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ذکرِ جمال جن کا ہے محمودِ کائنات
''وہ شاہکارِ حسن وہ مقصودِ کائنات''

فائز وہی ہوئے ہیں دنیٰ کے مقام پر
ہوگا نہ اُن سا کوئی بھی مسعودِ کائنات

ہو کیوں نہ ماورائے شعور اُنؐ کی ذاتِ پاک
رافع ہے جن کے ذکر کا مسجودِ کائنات

عظمت نبیؐ کی دیکھیے شام و سحر درود
پڑھتا ہے جن پہ خالق و معبودِ کائنات

سب کچھ اُنہی کے سامنے پیدا کیا گیا
شاہد وہی ہیں اور ہیں مشہودِ کائنات

مختار و مالک و شہِ کونین آپؐ ہیں
سائل ہے اُن کا جو بھی ہے موجودِ کائنات

ہیں کائنات کے لیے رحمت مرے حضورؐ
احسان مند اُن کی ہے بہبودِ کائنات

اُن کی نگاہِ لطف ہے ہمذانیؔ جب نصیب
لاریب مجھ کو مل گئی ہر جودِ کائنات

﴿اشفاق حسین ہمذانی﴾

اداریہ

اگر مؤقف واضح اور ارادہ پختہ ہو تو ....

اپوزیشن کی 11 جماعتوں کے 13 دسمبر 2020ء کو مینار پاکستان لاہور میں ہونے والے جلسے پر تبصرے ہوتے رہے، زیادہ تر غیر جانبدار تجزیہ نگاروں کا کہنا تھا کہ شدید سردی کی وجہ سے لوگوں کی حاضری کم رہی، اس قسم کے تبصرے ان تجزیہ نگاروں اور اینکرز حضرات نے بھی کئے جو عام طور پر ایک خاص جماعت کو سپورٹ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نپے تلے الفاظ کے ساتھ اس جماعت کی خامیوں پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے کچھ لینا دینا نہیں ہے کہ کون کس کی سپورٹ کرتا ہے اور کون کس کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے، ان تجزیوں اور تبصروں میں جو بات ہمارے لئے قابل توجہ اور قابل ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ ’’شدید سردی کی وجہ سے لوگ جلسہ گاہ تک نہیں پہنچ سکے‘‘؟ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ’’ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو.........تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے‘‘ جب مقصد نیک اور واضح ہو، ارادہ پختہ ہو اور نظر وحدہ لاشریک پر ہو تو پھر راستے میں دریا آئیں، سمندر آئیں، پہاڑ آئیں، سنگلاخ چٹانیں آئیں، دسمبر کی سردی یا جون کی پگھلا دینے والی گرمی آئے تو پھر کوئی رکاوٹ، رکاوٹ نہیں رہتی۔ موسموں کی سردی اور گرمی اس وقت رکاوٹ اور عذر بنتی ہے جب عزائم گھناؤنے اور اغراض کی دبیز تہہ میں چھپے ہوئے ناپاک ارادے ہوں اور نظر خدا کی بجائے زمینی خداؤں اور مال و زر پر ہو۔ ایک معروف اینکر اور تجزیہ نگار نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ماضی میں بے نظیر بھٹو کا مینار پاکستان پر بہت بڑا جلسہ موسم گرما میں ہوا تھا اور عمران خان کا جلسہ 30 اکتوبر کو ہوا تھا اور موسم خوشگوار تھا، اس لئے لوگ زیادہ جمع ہوگئے۔ اس معروف اینکر نے بوجوہ 23 دسمبر 2012ء کے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے جلسے کا ذکر نہیں کیا۔ ہماری جدید صحافت کا یہ ایک المیہ ہے جس میں ناپسندیدہ سچ چھپایا اور پسندیدہ جھوٹ پھیلایا جاتا ہے۔

23 دسمبر 2012ء کا جلسہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا واحد سیاسی جلسہ ہے جس کی مثال اس سے پہلے موجود تھی اور نہ تاحال اس کی کوئی دوسری مثال سامنے آسکی ہے اور شاید مستقبل کی آنکھیں کسی قومی ایشو پر اتنا بڑا عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کبھی مینار پاکستان کے سبزہ زار میں نہیں دیکھ پائیں گی۔ 23 دسمبر 2012ء کے دن عوام کا سمندر ڈاکٹر طاہرالقادری کی ایک کال پر یخ بستہ اور منفی ڈگری والے دن مینار پاکستان پہنچا، کسی کو گاڑی دی گئی نہ کسی کو بریانی آفر کی گئی اور نہ ہی کسی کو دیہاڑی دینے کا لارا لگایا گیا۔ 23 دسمبر 2012ء کے دن مینار پاکستان میں جمع ہونے والا کراؤڈ روایتی سیاسی کراؤڈ نہیں تھا، اس کراؤڈ کا غالب حصہ تعلیم یافتہ افراد، پروفیشنلز اور مڈل کلاس کے دردمند محبّ وطن خاندانوں پر مشتمل تھا۔ اس کراؤڈ میں پروفیسرز بھی تھے، ڈاکٹرز بھی تھے، انجینئرز بھی تھے، اساتذہ بھی تھے، کلرک بھی تھے، مزدور بھی تھے، بیوروکریٹس بھی تھے، نوجوان بھی تھے، کسان بھی تھے، بزرگ، خواتین اور بچے بھی تھے۔ اتنا پڑھا لکھا کراؤڈ آج کے دن تک کوئی سیاسی شخصیت جمع کرسکی اور نہ کرسکے گی اور دوبارہ بھی جب کبھی ایسا موقع آیا تو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی آواز پر ہی قوم لبیک کہے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ارادہ پختہ ہو اور نظر خدا پر ہو تو پھر راستے کی کوئی رکاوٹ رکاوٹ نہیں رہتی۔

آج کل جس انداز کی سیاست ہورہی ہے اور جس طرح مخالفین، مخالفین کے بارے میں ہم کلام ہورہے ہیں، یہ ہرگز شریفانہ طرز تکلم نہیں ہے۔ تہذیب یافتہ اور پڑھے لکھے گھرانوں کے افراد نے ٹی وی چینلز دیکھنے کم کر دیئے ہیں۔ ان کا

موقف ہے کہ جو کچھ آج کل ٹی وی پر نظر آتا ہے، وہ ہمارے بچوں کے اخلاق اور عمومی ذہنی صحت کے لئے مناسب نہیں ہے۔ بہرحال 23 دسمبر 2012ء کے دن لاکھوں افراد مینار پاکستان جمع ہوئے تھے تو اس کے پیچھے ایک مصمم ارادہ اور مشن تھا۔ وہ ارادہ تھا کہ اگر پاکستان کے جمہوری نظام کو راہ راست پر لانا ہے تو اس کے لئے شفاف الیکشن کا انعقاد یقینی بنانا ہو گا، انتخابی اصلاحات لانا ہوں گی اور اسمبلی میں داخل ہونے کے خواہشمند ہر امیدوار کو آئین کے آرٹیکل 62اور 63 کی تکڑی میں تولنا ہوگا۔ 70 سال کی تاریخ میں پہلی بار کسی شخصیت نے قومی، جمہوری، نظام کے جسم کو لاحق کینسر کی تشخیص کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا علاج بھی دریافت کیا۔ یہ وہ ارادہ اور مقصد تھا جس نے پاکستان سے محبت کرنے والے ہر پڑھے لکھے شہری کو مسحور اور پرعزم بنا دیا تھا اور وہ ڈاکٹر طاہرالقادری کی کال پر لبیک کہتا ہوا مینار پاکستان اور پھر اسلام آباد پہنچا۔ ڈاکٹر طاہرالقادری کے انتخابی اصلاحات کے ایجنڈے پر اپنے اور پرائے سبھی متفق تھے اور اس وقت کے حکمرانوں نے انتخابی اصلاحات کا وعدہ بھی کیا اور تحریری معاہدہ بھی۔ اس موضوع پر مزید کچھ کہنا عبث ہے کیونکہ سب کچھ تاریخ کا حصہ ہے،تاہم ڈاکٹر طاہرالقادری کی تجویز کردہ اصلاحات پر اس لئے عمل نہ ہو سکا کیونکہ ان اصلاحات سے اشرافیہ کا سیاسی مستقبل خطرات سے دوچار ہو جاتا۔

آج سے 8 سال قبل انتخابی اصلاحات کے حوالے سے جن ایشوز پر ڈاکٹر طاہرالقادری بول رہے تھے آج وہی بولی سارے بول رہے ہیں۔ پاکستان کے سیاسی، صحافتی اور پڑھے لکھے حلقے جانتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری واحد لیڈر ہیں کہ وہ جب بھی بولے، ملک اور قوم کو درپیش ایشوز پر بولے اور پھر جلد یا بدیر سب نے اس کی تائید کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے کارکنان قومی وعوامی مقاصد کے حصول کے لئے کبھی دسمبر کی خون جما دینے والی سردی سے ڈرے اور نہ جلد پگھلا دینے والی گرمی سے ڈرے۔ آج اپوزیشن کے رہنما جو تاریخ کے بدترین کرپشن چارجز کی زد پر ہیں، ان میں سے کچھ کرپشن اور جھوٹ بولنے پر سزا بھی پا چکے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمارے خلاف انتقامی کارروائیوں کے لئے سٹیٹ مشینری استعمال کی جارہی ہے، ہمارے راستے روکے جارہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے کارکنوں کا قتل عام کیا، ان پر بدترین تشدد کروایا، ڈاکٹر طاہرالقادری اور ان کے کارکنان کا راستہ روکنے کے لئے پنجاب کونوگو ایریا میں تبدیل کیا، ماڈل ٹاؤن کا محاصرہ کیا، محاصرہ کے دوران رہائشیوں کو دوائی اور خوراک خریدنے کے لئے بھی اجازت اور سفارش درکار ہوتی تھی، ڈاکٹر طاہرالقادری کا طیارہ فضاء میں معلق رکھا جاتا تھا، طیارے کو اپنے مقررہ مقام پر اترنے کی اجازت اس لئے نہیں ملتی تھی کہ اس میں ڈاکٹر طاہرالقادری سوار ہوتے تھے (اللہ کی شان جو غرورِ اقتدار میں چاہتے تھے کہ ڈاکٹر طاہرالقادری پاکستان کی سرزمین پر قدم نہ رکھ سکیں، آج ان پر پاکستان کی زمین تنگ ہوچکی ہے)۔ منہاج القرآن اور عوامی تحریک کے کارکنوں پر صوبہ بھر کے تھانوں میں مقدمات کی بھرمار کی گئی اور آج کے دن تک کارکن اشرافیہ کے درج کروائے گئے جھوٹے مقدمات بھگت رہے ہیں۔ ماضی کے قاتل اور آج کے اپوزیشن لیڈرز کس انتقامی کارروائی کی بات کرتے ہیں؟ انتقامی کارروائی کا الزام لگانے سے قبل یہ لوگ ایک بار اپنے گریبان میں جھانکیں اور اپنے شرمناک ماضی کو یاد کریں۔ وزیراعظم عمران خان سانحہ ماڈل ٹاؤن کے انصاف کی بات کرتے رہے ہیں،وہ اگر چاہتے ہیں کہ قاتل اور کرپٹ اپوزیشن اپنے انجام کو پہنچے تو وہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے مظلوموں کو انصاف دلوانے کا اعلان کریں، ملکی تاریخ کا یہ ایک ایسا سانحہ اور قتل عام ہے جس کے دفاع کے لئے قاتل اشرافیہ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔

(چیف ایڈیٹر:نوراللہ صدیقی)

دعوتِ دین کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے

اصل متابعت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاکیزہ اوصاف کو زندگیوں میں داخل کیا جائے

آپ ﷺ بے سہارا اور محتاج افراد کے جذبات و احساسات کا بے حد خیال فرماتے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ـ معاون: محبوب حسین

گزشتہ سے پیوستہ

حضور نبی اکرم ﷺ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کے دلی جذبات اور احساسات کا بے حد خیال فرماتے اور کسی بھی طرح انہیں یہ احساس نہ ہونے دیتے کہ وہ معاشرے کا مفلوک الحال اور بے سہارا طبقہ ہیں۔ ذیل میں اسی ضمن میں سیرت الرسول ﷺ سے مزید چند مظاہر بیان کیے جارہے ہیں:

باندیوں کے احساسات کا احترام

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے پاس مختلف غزوات و سرایا کے موقع پر آنے والے جنگی قیدیوں میں مرد و خواتین دونوں شامل ہوتے تھے۔ ان جنگی قیدیوں کو مسلمانوں کی ذاتی تحویل میں دے دیا جاتا تھا تاکہ اِن کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ اِن جنگی قیدیوں میں کئی بے سہارا خواتین (باندیاں) بھی شامل ہوتیں، جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور موجود نہ ہوتا۔ اگر یہ باندیاں بھی اپنے کام کروانے کے لیے آپ ﷺ کی بارگاہ میں آجاتیں تو آپ ﷺ ان کے کام بھی کردیتے۔ وہ جہاں چاہتیں اپنے ساتھ حضور ﷺ کو اپنے کام کے لیے لے جاتیں اور حضور ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ:

ان كانت الامة من اهل المدينة لتاخذ بيد رسول الله ﷺ فتنطلق به فی حاجتها.

(احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۹۸، رقم: ۱۱۹۶۰)

یعنی اگر کوئی بے سہارا باندی جس کی ضروریات کو پورا کرنے والا کوئی نہ ہوتا، اگر وہ آپ ﷺ کے پاس آجاتی خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوتی اور وہ چاہتی کہ آقا ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جاکر اپنا کام کرائے تو آپ ﷺ اس کے ساتھ چل پڑتے اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ اُس سے نہ چھڑواتے۔

ذہنی مریضوں کے احساسات کا خیال

حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ ذہنی امراض کا شکار افراد کے احساسات اور جذبات کا بھی خیال رکھتے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

ان امراة كان فی عقلها شئی

ایک خاتون جو دماغی لحاظ سے غیر متوازن تھی، وہ آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ

ان لی اليك حاجة يارسول الله ﷺ آپ میرے ساتھ آئیں، مجھے آپ ﷺ سے کچھ کام ہے۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ اٹھ کر چل پڑے۔ مدینہ کی گلیوں میں جہاں اس نے چاہا، وہ حضور ﷺ کو لے کر پھرتی رہی، کئی راستے گھماتی رہی اور جب تک اس کے سارے کام ختم نہیں ہوگئے، حضور ﷺ اس دیوانی کو چھوڑ کر واپسی نہیں آئے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۶)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ طرزِ عمل مصنوعی طور پر کوئی نہیں اپنا سکتا، اس اخلاق کا اظہار وہی کرسکتا ہے جس کا

☆ میلاد کانفرنس اکتوبر 2020ء، باغ جناح کراچی

سارے کا سارا ظاہر و باطن ''وانك لعلی خلق عظیم'' کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

اعرابیوں کے جذبات کا خیال

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ یہاں تک لوگوں کے احساسات کا خیال رکھتے کہ:

کان رسول اللّٰہ ربما نزل عن المنبر وقد اقیمت الصلوٰۃ فیعرض له الرجل فیحدثه طویلا ثم یتقدم الی مصلاہ.

(مسند ابی یعلی، ۶:۱۷۱، رقم:۳۴۵۲)

یعنی کئی بار ایسا ہوتا کہ آقا ﷺ خطبہ جمعہ دے کر منبر سے نیچے اتر آئے ہوتے، اقامت بھی ہوگئی ہوتی تو اسی اثنا میں کوئی حاجت مند حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور آپ ﷺ سے دیر تک بات کرتا رہا لیکن آقا ﷺ نے کبھی اس شخص کو یہ نہیں فرمایا کہ خطبہ ختم ہوگیا ہے، اقامت ہوگئی، نماز جمعہ کی جماعت کرانی ہے، لوگ کھڑے ہیں، تم بات مختصر کرو اور ختم کرو مگر ایسا نہ ہوتا۔ جب تک وہ بات ختم نہ کرلیتا تب تک آپ ﷺ کھڑے ہوکر اس کی بات سنتے رہتے۔

(جہاں تک اس مسئلہ کے شرعی پہلو کا تعلق ہے تو یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے نماز میں تاخیر نہیں ہوتی حتی کہ نماز کے اندر آپ ﷺ کی بات کا جواب دینے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔)

اعرابی اور دیہاتی لوگوں کا یوں آپ ﷺ کو سرِ راہ روک لینے کی وجہ یہ تھی کہ مختلف سطح کے لوگ اسلام میں داخل ہورہے تھے، جن میں اعرابی، دیہاتی اور بدو بھی تھے۔ یہ لوگ دور دراز کے علاقوں سے آتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت ابھی نہیں ہوئی تھی، اپنے آپ کو سنوارنے کے مواقع ابھی ان لوگوں کو میسر نہیں آئے تھے، مجلس میں حاضری کے طریقے معلوم نہیں تھے، گفتگو کے آداب معلوم نہیں تھے، بس پیغام ملا اور کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت سے باقاعدہ تربیت کے مواقع ابھی انہیں میسر نہیں آئے تھے تو اپنے مزاج کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ سے بات کرلیتے مگر آپ ﷺ ہر سطح کے آنے والے لوگوں کے مزاج، کلچر اور عادات کا خیال رکھتے کہ کہیں کسی چیز سے ان کی دل شکنی نہ ہو۔ لہذا آپ ﷺ ان کے مزاج کے مطابق ان کا احترام کرتے۔

☆ اس سے بھی بڑھ کر عجیب تر طرزِ عمل کے بارے میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ:

کنت امشی مع النبی ﷺ وعلیه برد نجرانی غلیظ الحاشیه.

ایک بار میں آپ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے اوپر نجران کی بنی ہوئی چادر لے رکھی تھی جو سخت کھردری تھی۔ اچانک پیچھے سے ایک اعرابی آیا اور اس نے آپ ﷺ کو روکنا چاہا اور چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن مبارک پر رگڑ آگئی اور وہ سرخ ہوگئی۔ آپ ﷺ پیچھے متوجہ ہوئے اور پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ وہ کہتا ہے:

مرلی من مال اللّٰہ الذی عندك.

اللہ کا دیا ہوا مال جو آپ ﷺ کے پاس ہے، اس میں سے مجھے دیں، میری ضرورت پوری کریں۔

آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرادیئے اور اس نے جو مانگا تھا، اسے عطا کرنے کا حکم فرمایا۔

(صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، ۳:۱۱۴۸، رقم:۲۹۸۰)

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم آقا ﷺ کے ساتھ مسجد سے باہر نکل رہے تھے کہ مسجد کے اندر ہی دیہات سے آئے ہوئے آدمی نے آپ ﷺ کو روکنے اور اپنی بات کہنے کے لیے آپ ﷺ کی چادر کو کھینچا۔ یہ دیہاتی لوگ ایک دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اس نے اس زور سے آپ ﷺ کی چادر مبارک کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ اس شخص نے کہا:

یا محمد! میں دو اونٹ لایا ہوں، میری کچھ ضروریات ہیں، ان اونٹوں کو ہماری کھانے پینے کی ضروریات سے بھر دیں اور:

فانك لا تحمل من مالك ولا من مال ابیك.

جو کچھ آپ مجھے دیں گے، یہ نہ اپنے مال سے دے رہے ہیں اور نہ اپنے باپ کے مال سے دے رہے ہیں۔ یہ اللہ کا مال ہے۔

یہ طریقہ گفتگو ان لوگوں کا کلچر تھا کہ وہ آپس میں بھی اس انداز میں بات کیا کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی بات سنی، مگر اس کے اس طرزِ تخاطب پر ناراضگی کا اظہار نہ

فرمایا بلکہ اس کے دونوں اونٹوں کو کھجور اور جَو سے بھر دیا۔

(سنن النسائی، ۴: ۲۲۷، رقم: ۶۹۷۸)

قاضی عیاض نے الشفاء میں اِن الفاظ کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی بات کو سن کر فرمایا:

المال لله وانا عبده.

''مال سارا اللہ ہی کا ہے، میں تو اللہ کا بندہ ہوں''۔

گویا آپ ﷺ نے اس کی بات کی وضاحت فرمادی کہ میں نے کب کہا ہے کہ یہ مال میرا ہے؟ یہ تو اللہ ہی کا مال ہے۔

جب آپ ﷺ نے اُس کے اونٹوں کو اشیائے خوردونوش سے بھر دیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

ويقاد منك يا اعرابي ما فعلت بي؟

جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے کہ میری چادر کھینچ کر میری گردن کو سرخ کردیا ہے، کیا میں اب تمہارے ساتھ بھی ایسا کروں؟

قال لا، قال لم؟

اس نے کہا: نہیں میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ فرمایا: تم نے میرے ساتھ کیا ہے تو میں تمہارے ساتھ کیوں نہ کروں؟

قال لانك لانكافي بالسئيه السيئة

اس نے جواب دیا: میں نے آپ کے ساتھ جو زیادتی کی ہے، آپ مجھ سے اس کا بدلہ نہ لیں کیونکہ آپ زیادتی کا جواب زیادتی سے دینے والے نہیں ہیں۔

فضحك النبی ﷺ (قاضی عیاض، الشفاء، ۱۰۸)

حضور ﷺ اس کی بات کو سن کر ہنس پڑے۔

بغیر متابعت دعویٔ محبت ناقص ہے

انسانی جذبات واحساسات کا اس قدر خیال کرنا آپ ﷺ کی عظمت کی نشانی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کے مصداق ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے اخلاقِ مبارکہ کے یہ گوشے ممکنہ حد تک اپنی زندگی میں داخل کریں۔ جب تک آقا ﷺ کی متابعت کا اثر ہماری زندگیوں، اخلاق، عادات، طور طریقے اور برتاؤ میں نہیں نظر آتا تو ہمارے سارے دعوے ناقص ہیں۔ ہمیں اپنے اخلاق، طور طریقے، برتاؤ اور روّیوں کو تبدیل کرنا ہوگا اور نفرتوں کو نکال کر اس جگہ کو محبتوں سے پُر کرنا ہوگا۔۔۔ غیض وغضب کی جگہ شفقت اور نرمی کو لانا ہوگا۔۔۔ دوسرے کو بے عزت کرنا، للکارنا اس کی تضحیک و تذلیل کرنے کے طرزِ عمل کو ترک کرکے ہر ایک کو احترام دینا ہوگا۔۔۔ اختلاف رائے کا بھی احترام کرنا ہوگا۔۔۔ اختلاف رائے کا جواب بھی تلوار اور گالی گلوچ سے نہیں بلکہ دلیل سے دینا ہوگا اور دلیل کی قوت سے بھی کسی کو جواب دیں تو اس کو یوں نہ لگے کہ مجھے بے عزت کررہا ہے بلکہ ایسا لگے کہ اپنا نکتۂ نظر بیان کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اِن ہی تعلیمات کی تلقین کی کہ میرے حبیب آپ بس میری بات ان تک پہنچادیں، ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔

افسوس یہ ہے کہ ہم بندے ہوکر خدا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم جبراً دوسروں سے اپنی بات کیوں منوانا چاہتے ہیں۔۔۔؟ فتوؤں کے تیر چلا کر ہم انسانی جذبات کا قتل عام کیوں کرتے ہیں۔۔۔؟ انسان کی عزت وتکریم کا خون خرابہ کیوں کرتے ہیں۔۔۔؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسولوں کو یہ ذمہ داری نہیں دی کہ کفار سے بزورِ بازو بات منوائیں، فقط یہ فرمایا کہ آپ ﷺ ان تک میری بات پہنچادیں۔ **وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ** کا مطلب ہی یہ ہے کہ میری ذمہ داری صرف بات کو پہنچانا ہے۔ لہٰذا پہنچانے والا گالی کیسے دے سکتا ہے اور لاٹھی کیسے مار سکتا ہے۔۔۔؟ پہنچانے والا دوسرے کی تذلیل کیسے کرسکتا ہے۔۔۔؟

تبلیغ دین کے روّیوں پر نظرِ ثانی کی ضرورت

بات پہنچانے کا مقصد تھا کہ دوسروں کو منوایا جائے مگر جب ہم دوسرے کو گالی دیں گے تو کیا وہ ہماری بات مانے گا؟ ہم نے اس روّیے کو بدقسمتی سے غیرتِ دین کا نام دے دیا ہے۔ ہم جو کرتے چلے جاتے ہیں، اس کو دین کا ٹائٹل دے دیتے ہیں۔ ہم نے دین کے ساتھ مذاق کررکھا ہے اور دین اور اس کی حرمت کو اٹھا کر گلی کوچوں اور سڑکوں پر لے آئے ہیں۔۔۔ دین کی حرمت کو عوامی نعروں میں بدل کر نفرت کا بازار گرم کردیا ہے۔ اپنے اس

روّیے سے ہم نوجوان نسل اور عالمِ انسانیت کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔۔۔؟ افسوس! ہم نے آقا ﷺ کی سیرت طیبہ سے فاصلے پیدا کرلیے ہیں۔ سب سے بڑا حق اور ذمہ داری ان لوگوں کی ہے جو دین کی پہچان سمجھے جاتے ہیں، جو دین کے مبلغ ہیں، جن کے قول وعمل سے لوگ دین سیکھتے ہیں۔ ان کے یہ روّیے اللہ کے ہاں قابلِ معافی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا روّیوں میں حسنِ اخلاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

ائذن لی بالزنا؟ مجھے بدکاری کی اجازت دیں۔

فوراً صحابہ کرامؓ اسے روکنے کے لیے اٹھے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ آقا ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو منع کردیا اور اس نوجوان کو قریب ہونے کا فرمایا۔ جب وہ قریب آکر بیٹھا تو فرمایا:

أتحبه لامك؟ جس امر کی تم اجازت مانگ رہے ہو، یہ بدکاری کا ارادہ کس سے ہے؟ کیا اپنی والدہ کے لیے اجازت مانگی ہے؟

اس نے کہا: نہیں، کون ایسا کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو نے درست کہا، کون ایسا کرسکتا ہے۔ لوگ اپنی ماؤں کے لیے ایسا کرنا پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

أفتحبه لابنتك؟ کیا اپنی بیٹی کے لیے اجازت مانگی ہے؟

جواب دیا: نہیں، کون ایسا کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو نے درست کہا، کون ایسا کرسکتا ہے، **ولا الناس یحبونه لبناتهم.** لوگ اپنی بیٹیوں کے لیے ایسا ارادہ نہیں کرتے۔ پھر پوچھا:

أفتحبه لاختك؟ کیا اپنی بہن کے لیے اجازت مانگی ہے؟

کہا: نہیں، کون ایسا کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو نے درست کہا، کون ایسا کرسکتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

أفتحبه لعمتك؟ کیا اپنی پھوپھی کے لیے اجازت مانگی ہے؟

اس نے کہا: نہیں، کون ایسا کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو نے درست کہا، کون ایسا کرسکتا ہے۔

اندازہ کریں کہ آپ ﷺ اس کے جملوں کے ساتھ جملے ملا رہے ہیں، اس کے اظہار کے ساتھ اپنا اظہار ملا رہے ہیں اور اپنے خیالات کو بڑی محبت کے ساتھ اس کے خیالات کے اندر ڈال رہے ہیں اور ایک احساس منتقل کررہے ہیں۔ ابھی تک یہ نہیں فرمایا کہ یہ حرام کام ہے، میں تجھے اجازت کس طرح دے سکتا ہوں؟ تجھے یہ پوچھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ یہ حرام ہے، اس کی حد ہے۔ یہ جملے ابھی تک آپ ﷺ نے نہیں فرمائے۔ پھر پوچھا:

افتحبه لخالتك؟ کیا اپنی خالہ کے لئے اجازت مانگی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم ایسا کون سوچ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو نے ٹھیک کہا، اپنی خالہ کے لیے لوگ ایسا نہیں سوچتے۔

جب ساری باتیں کرلیں تو پھر اپنا دست اقدس اس کے سر پر رکھا اور دعا فرمائی:

اللهم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه.

(احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۵۶، رقم:۲۲۲۶۵)

اے اللہ! اس کے سارے گناہ معاف فرمادے، اس کے دل کو پاک کردے، اسے برائی سے بھی پاکیزگی عطا فرما۔

صحابہ کرام ﷺ فرماتے ہیں کہ بعد ازاں ہم نے اسے دیکھا کہ اس نے پوری زندگی کبھی گناہ کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی۔ آقا ﷺ کی شفقت نے ایک ہی نشست میں اس کی کایا پلٹ دی اور اس کی ساری زندگی کا رخ بدل دیا۔ یہ تبلیغِ دین کے وہ روّیے ہیں جو دین کی افادیت کو دلوں میں منتقل کرتے ہیں، ہماری زندگی میں آقا ﷺ کی سیرت کا عکس پیدا کرتے ہیں، دین کی محبت وعزت اور احترام پیدا کرتے ہیں اور اگلی نسلوں کو دین کی طرف راغب کرتے ہیں۔

احساسات کا احترام نفلی عبادت سے بڑھ کر ہے

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! فلاں عورت کا ذکر کیا جاتا ہے کہ بہت نمازیں پڑھتی ہے، بہت روزے رکھتی ہے، بہت صدقہ و خیرات کرتی ہے، مگر ایک بات سنتے ہیں کہ:

غير انها توذی جيرانها بلسانها.

وہ پڑوسیوں کے لیے بڑی سخت زبان استعمال کرتی ہے

اور اپنے پڑوسیوں کو سخت زبان سے اذیت پہنچاتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **ھی فی النار.**

وہ دوزخ میں جائے گی چونکہ اس نے زبان سے پڑوسی کو اذیت دی ہے۔ اب نہ اس کی نمازیں قبول ہوں گی، نہ روزے اور نہ صدقہ وخیرات بلکہ تمام عبادتیں رد ہوجائیں گی۔

پھر عرض کی گئی: یارسول اللہ! ایک اور عورت ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نفلی روزے زیادہ نہیں رکھتی، صدقہ وخیرات بھی زیادہ نہیں کرتی، نفلی نمازیں بھی زیادہ نہیں پڑھتی مگر کبھی کبھی پنیر کے چند ٹکڑے غریبوں میں صدقہ و خیرات کرتی ہے اور یہ بات معروف ہے کہ

ولا توذی جیرانھا بلسانھا.

وہ کسی پڑوسی کو اذیت نہیں دیتی، بدزبانی نہیں کرتی، کسی کا دل نہیں دکھاتی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **ھی فی الجنة.** وہ جنت میں جائے گی۔

(احمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۴۰، رقم:۹۶۷۳)

یاد رکھیں ہر شخص جو ہم سے تعلق رکھتا ہے وہ ہمارا پڑوسی ہے۔ کوئی گھر کا پڑوسی ہے، کوئی تعلق کا پڑوسی ہے، کوئی سفر کا پڑوسی ہے، کوئی رشتے کا پڑوسی ہے الغرض ہر شخص کی جو ریلیشن شپ اور قربت ہے، وہ پڑوس میں شمار ہوتی ہے۔

اندازہ کرلیں کہ آقا ﷺ نے لوگوں کے جذبات و احساسات کا کس قدر مقام اور درجہ مقرر ومتعین کیا ہے کہ لوگوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنے کو نفلی عبادات سے بھی بلند تر کردیا اور اس کو باعثِ جنت یا باعثِ جہنم قرار دیا۔ سیرت رسول ﷺ سے اخذ کردہ جذبات واحساسات کے احترام کا یہ تصور سمندروں سے بھی زیادہ وسیع ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

انی لادخل فی الصلوة وانا ارید اطالتھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلاتی مما اعلم من شدة وجد امه من بکائه. (صحیح بخاری، کتاب الاذان، ۱:۲۵۰، رقم:۶۷۷)

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا دل چاہ رہا ہوتا ہے کہ لمبی قرأت کروں اور دیر تک اللہ کے حضور کھڑے ہوکر تلاوت کروں کیونکہ یہ اللہ سے ہمکلامی کا وقت ہوتا ہے مگر جب نماز شروع کرچکا ہوتا ہوں تو اچانک کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی ہے تو میں اپنا ارادہ ترک کردیتا ہوں اور نماز کو مختصر کرکے جلدی ختم کردیتا ہوں۔ اس لیے کہ بچے کے رونے پر میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کی ماں کے دل پر کیا بیت رہا ہوگا، میں بچے کا رونا اور اس کی ماں کی پریشانی جو بچے کے رونے کی وجہ سے ہوتی ہے، برداشت نہیں کرسکتا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ:

فاتجوز فی صلاتی کراھیة ان اشق علی امه.

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، ۱:۲۵۰، رقم:۶۷۵)

میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کی ماں پر یہ مشکل رہے۔

یہ آقا ﷺ کی شفقت کی انتہا (Climax) ہے کہ آپ ﷺ کسی دوسرے کی اتنی سی مشکل بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ بچے، جوان، بوڑھے، کمزور، طاقتور، بیمار، صحت مند، اپنا، پرایا، مسلم، غیر مسلم، نیک یا بد ہر ایک کے انسانی جذبات و احساسات کا اس حد تک خیال کرنا، آقا ﷺ کے کمال درجہ شفقت وعظمت کا نقطہ کمال ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا:

اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان منھم الضعیف والسقیم والکبیر.

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، ۱:۲۴۸، رقم:۶۷۱)

تم میں سے کوئی شخص اگر کسی مسجد میں امام بنے تو باجماعت نماز میں قرأت مختصر کرے۔ اس لیے کہ تمہیں خیال ہونا چاہیے کہ تمہارے پیچھے بچے بھی کھڑے ہوسکتے ہیں، ضعیف بھی ہوسکتے ہیں اور مریض بھی ہوسکتے ہیں، اگر طویل قرأت کی تو ان کو تکلیف ہوگی، ان کی تکلیف کا احساس کریں۔

واذا صلی احدکم لنفسه فلیطول ماشآء.

اور اگر اکیلے نماز پڑھیں تو آپ کی طبیعت پر منحصر ہے کہ جتنا چاہیں، لمبی قرأت کرلیں۔

آقا ﷺ نے اپنی سیرتِ طیبہ کے ذریعے دین، اخلاق اور لوگوں کے ساتھ روّیے کا ایک معیار عطا فرمادیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور اخلاقِ حسنہ کا مرکزی نقطہ لوگوں کے احساسات و

جذبات کا احترام ہے۔ آپ ﷺ نے انسانی جذبات و احساسات، انسان کی عزت کا احترام، انسان کی حاجات و ضروریات کا احترام اور سوسائٹی میں موجود ہر انسان کے امیج کا احترام ہر موقع پر پیشِ نظر رکھا۔ اگر ہم اس ایک معاملے کو سمجھ لیں اور اسے اپنی زندگیوں میں داخل کرلیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اخلاق کا 75 فیصد حصہ سنور جائے گا اور ہماری زندگیوں میں خیر پیدا ہوجائے گی۔

آقا ﷺ کی ذات کا یہی نقطہ اولیاء وصلحاء کی زندگیوں کا طرۂ امتیاز رہا۔ جب حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ غزنی سے لاہور تشریف لائے تو اس وقت یہاں بہت کم لوگ مسلمان تھے، اسی طرح حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ جب اجمیر شریف میں آباد ہوئے تو وہاں بھی بہت قلیل مسلمان تھے، ان اولیاء نے اپنے اخلاق سے غیر مسلموں کے دل جیتے اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔ سارے اولیاء وصلحاء کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ بلاتفریق رنگ ونسل اور مذہب ہر ایک سے محبت کرتے۔ اولیاء انسانیت سے محبت کے علمبردار تھے۔ ہم جب انسان سے محبت کرنا سیکھ لیں گے تو مسلمان سے مزید درجۂ کمال سے محبت کریں گے اور پھر اسی طرح اپنے روحانی پیشوا، رشتے داروں اور گھر والوں سے اور زیادہ درجۂ کمال تک محبت کریں گے۔

سیرتِ رسول ﷺ کا یہی مرکزی نقطہ تحریک منہاج القرآن کا پیغام ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کے روّیے سے کسی دوسرے کا دل نہ دکھے، کسی کی توہین نہ ہو اور کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اگر پورا دن ہم نے کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر اور ہر ایک کی تعظیم وتکریم اور دلجوئی کے ساتھ گزارا ہے تو یاد رکھیں کہ ہم نے اپنا وہ دن بخشش کے زمرے میں شامل کرلیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا حاصل کرلی۔ اگر فرائض دین میں کوتاہی نہ ہو تو اللہ رب العزت اسی برتاؤ و حسنِ سلوک کے سبب جنت کی گارنٹی دیتا ہے۔ اس تحریک کے ذریعے اس طرزِ عمل کو اپنی زندگی کا شیوہ اور شعار بنائیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمِ انسانیت کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کو یاد کرکے ہم اپنے دلوں کو راحت ومسرت فراہم کریں۔۔۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اپنے رشتۂ محبت کو دوبارہ مضبوط کرنے کا عزم کریں۔۔۔ اس محبت کو حضور ﷺ کی سچی اور کامل پیروی اور اتباع میں ڈھال کر اپنی زندگیوں کو سنوارنے اور خوبصورت بنانے کا پختہ ارادہ کریں۔۔۔ عالمِ انسانیت کو بلاتفریقِ رنگ ونسل اور بلاتفریقِ مذہب وملت آقا ﷺ کی عطا کردہ محبت، شفقت اور تکریمِ انسانیت کا پیغام پہنچائیں۔۔۔ ہر شخص دوسرے کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے اپنی زندگی کو پیکرِ اخلاق و ایثار اور پیکرِ محبت وشفقت بنائے۔

قرآن مجید میں جب آقا ﷺ کی رحمت کا ذکر کیا گیا ہے تو آقا ﷺ کی رحمت، شفقت، لطف وعنایت اور کرم نوازی کو کسی خاص مذہب، ملت ونسل، علاقے اور زمانے تک محصور نہیں کیا بلکہ آقا ﷺ کی عنایت زمان و مکان کی حدود و قیود اور رنگ ونسل کی حد بندیوں سے ماوراء قرار دیا گیا کہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ عالمِ انسانیت سمیت کائنات کے جملہ جہانوں کے لیے فیض رساں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس مقام اور پیغام کا فروغ تحریک منہاج القرآن کی ذمہ داری ہے۔ امتِ مسلمہ کی ہر تنظیم، جماعت، خانوادہ، سلسلۂ طریقت، مدرسہ، جامعہ، گروہ اور حضور ﷺ کی امت کا ہر وہ فرد جو اپنی آواز دوسرے تک پہنچاسکتا ہے، یہ اس کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آقا ﷺ کی عطا کی ہوئی محبتیں کائنات میں پھیلائے۔۔۔ آقا ﷺ کی شفقتوں کی خیرات اور رحمتوں کے فیضان بانٹے۔۔۔ نفرتیں اور فاصلے مٹائے اور دوریاں قربتوں میں تبدیل کرے۔۔۔ روّیوں میں نرمی، لچک، محبت، شفقت، پیار، باہمی احترام، برداشت، حلم اور بردباری پیدا کرے۔۔۔ منافرت، سختی، عداوت، بغض وعناد جیسے رذائل ختم کرے۔۔۔ ایسے اخلاق اپنائے کہ جس سے وہ دوسروں کے لیے شفقت، محبت، احسان، بھلائی اور خیر کا پیکر دکھائی دے۔ یہی حضور نبی اکرم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری اور آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کا مقصد تھا۔ اللہ رب العزت ہمیں ان تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ۔

❀❀❀❀❀

سہ روزہ دورہ علوم الحدیث

فضائل و رقائق میں حدیث ضعیف کے جواز پر دلائل

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

نشست سوم
حصہ: 2

ائمہ علم اور ائمہ حدیث کا اجماع ہے کہ فضائلِ اعمال کے باب میں ضعیف احادیث کو قبول کیا جائے گا۔ ذیل میں فضائل و رقائق کے باب میں حدیث ضعیف کے جواز پر دلائل ذکر کیے جارہے ہیں:

امام نوویؒ کا قول

امام نوویؒ نے اولیاء، مشائخ، علماء، اہلِ فضل اور بزرگوں کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہونے کو جائز قرار دینے پر ’’الترخيص بالقيام لذوي الفضل والمزية من أهل الإسلام‘‘ کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اُس رسالے میں امام نووی نے طلبہ کو وصیت کرتے ہوئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ ذکر کی ہے۔ اس حدیث کی سند کے متعلق امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قد ضعَّف الجمهور أبا هارون (العبدی). ولكن هذا الحديث من باب الفضائل. وقد اتفق أهل الحديث وغيرهم على العمل فی الفضائل ونحوها من القصص.

(سخاوي، فتح المغيث) (رملی، فتاوی)

جمہور علماء نے ابو ہارون کو ضعیف قرار دیا ہے مگر یہ حدیث فضائل کے باب میں آئی ہے اور اہلِ علم و محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے کہ فضائل اور قصص ایسے امور میں ضعیف احادیث کو قبول کیا جاتا ہے۔ جب اتفاق کہتے ہیں تو پھر یہ ظنی اجماع بھی نہیں رہتا، یعنی کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

حافظ عسقلانیؒ اور حدیث ضعیف کی شرائطِ قبولیت

امام سخاوی نے القول البدیع میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف کو قبول کرنے کے لیے تین شرائط کا ذکر کیا ہے: وہ فرماتے ہیں:

سمعت شيخنا الحافظ ابن حجر مرارا، إن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة:

میں نے اپنے شیخ ابن حجر سے یہ کئی بار سنا کہ حدیث ضعیف کو قبول کرنے کی تین شرائط ہیں:

(۱) ضعف غیر شدید ہو

الأول: أن يكون الضعفُ غير شديد، فيخرُجُ مَنِ انفردَ من الكذّابين، والمتَّهمين بالكذب، ومَنْ فحش غلطه.

پہلی شرط یہ ہے کہ ضعف غیر شدید ہو۔ غیر شدید سے کذاب، متہم بالکذب اور فحش غلطی والے راوی نکل جائیں گے۔

ضعف کے زیادہ شدید نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ راوی کذاب نہ ہو، اُس کے اوپر کذب کی تہمت نہ ہو اور اس کے اندر فحش غلطی نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر راوی کذاب ہو گا تو اُس کی روایت ’’موضوع‘‘ ہو جائے گی اور اگر اُس پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہوگی تو اُس کی روایت

☆ خطاب نمبر: Ba-127، مقام: جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، مورخہ: 09 اکتوبر 2017ء، ناقل: محمد خلیق عامر

''متروک'' ہوجائے گی۔ پس حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث ضعیف کو قبول کرنے کی شرائط میں سے ''موضوع'' اور ''متروک'' کو خارج کردیا ہے۔ ان دو اقسام (موضوع اور متروک) کے علاوہ حدیث ضعیف کی باقی 37 اقسام فضائل اعمال کے باب میں قبول کی جائیں گی۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ امام علائی فرماتے ہیں:

هذا الشرط متّفق عليه.

اِس شرط پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

(۲) حدیثِ ضعیف میں مذکور عمل کی کوئی اصلِ عام ہو

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث ضعیف پر عمل کی دوسری شرط یہ بیان فرمائی کہ

أن يكون مندرجا تحتَ أصلٍ عامٍ.

حدیثِ ضعیف میں مذکورہ عمل کسی اصل عام کے تحت ہو۔

یعنی وہ مسئلہ کسی آیت قرآنی یا دوسری حدیث صحیح سے ثابت ہو اور پھر اُس کے ثواب وعقاب کے بیان میں تفصیل کے لیے کوئی حدیث ضعیف آ جائے تو اس حدیث ضعیف کو قبول کیا جائے گا۔

مثلاً: نماز کا باجماعت پڑھنا اس کی اصلِ عام احادیث میں موجود ہے یعنی نماز کو باجماعت پڑھنے کا حکم احادیث سے ثابت ہے۔۔۔ اسی طرح والدین کی خدمت کرنا اور ان کا ادب واحترام کرنے کی بھی اصلِ عام ہے کہ بہت سی احادیث اس پر موجود ہیں اور امورِ شرعیہ میں اِس کا انکار نہیں ہے۔۔۔ اسی طرح قرأت وسماعِ قرآن کی ترغیب دینے پر بھی اصلِ عام ہے یعنی اس موضوع پر احادیث اور احکام موجود ہیں۔

گویا روز مرہ کی دینی زندگی سے متعلق بہت سے مسائل پر ہمارے پاس دین کے شرعی اصول کے طور پر احادیث یا قرآنی آیات کے دلائل موجود ہیں اور یہ اصل عام ہیں۔ اب اس اصل عام کے تحت اگر کوئی ایک ایسی حدیث ضعیف آ جائے جو اصل عام پر مبنی کسی مسئلہ شرعی کے اندر کوئی خاص ثواب یا عقاب یا کوئی خاص نوعیت کی فضیلت بیان کردے تو اس ضعیف حدیث کو قبول کیا جائے گا، اس لیے کہ اب اس حدیث ضعیف سے اصل مسئلہ ثابت نہیں کیا جا رہا بلکہ وہ مسئلہ شریعت، آیات قرآنیہ یا احادیث نبویہ سے بطور اصلِ عام الگ طور پہ ثابت تھا۔ اب اُس ثابت شدہ مسئلہ کے اندر ایک خاص ثواب، فضیلت اور ترغیب کی یہ ضعیف حدیث اضافتاً ہے۔

گویا حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ والدین کی تعظیم، باجماعت نماز، قرأت قرآن اور دیگر ایسے کئی امور میں اگر کوئی حدیثِ ضعیف آ جائے تو اُس پر عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ اصلِ عام سے وہ حکم پہلے ثابت ہو چکا ہے اور اب یہ ضعیف حدیث معمول بہ حکم کے تحت ہے۔ یعنی ایک اضافی فضیلت اور ثواب کی بات ہو رہی ہے۔ سو ایسے امور میں حدیث ضعیف کو قبول کیا جائے گا۔

(۳) حدیثِ ضعیف پر عمل میں احتیاط کا عقیدہ رکھنا

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث ضعیف کے قبول کرنے کے حوالے سے تیسری شرط یہ بیان کی کہ

أن لا يُعْتَقَدَ عند العمل به ثبوته، لئلا يَنسِبَ إلى النبي ﷺ ما لم يقله، بل يُعتَقدُ الاحتياط.

جب حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے تو اس سے سنت نبوی کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے۔ اِس لیے کہ ایسی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب نہ کرے جو حضور ﷺ نے فرمائی نہ ہو بلکہ احتیاط کا عقیدہ رکھتے ہوئے اس پر عمل کرے۔

یعنی یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ اِس سے حضور علیہ السلام کی سنت ثابت ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے اُس کے متن کے صحیح اور غلط دونوں ہونے کا احتمال ہے کہ شاید آقا علیہ السلام نے فرمایا ہو یا نہ فرمایا ہو، شاید ایسے ہی کیا ہو یا نہ کیا ہو، لہذا احتیاط کا عقیدہ رکھتے ہوئے عمل کیا جائے۔ عمل اس لیے کیا جائے کہ کہیں عمل نہ کرنے سے فضیلت ترک نہ ہو جائے، لہذا فضیلت کے ترک کرنے سے بچنے کے لیے احتیاط اپنے عقیدے میں رکھ کر حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔

قبولیتِ حدیث ضعیف کی متفق علیہ اور مختلف فیہ شرائط

حدیث ضعیف پر عمل کے حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانی کی بیان کردہ مذکورہ تین شرائط میں سے دو شرائط مختلف فیہ ہیں: ”ا۔ وہ حکم اصلِ عام کے تحت ہو۔ ۲۔ احتیاط کا اعتقاد ہو، ثبوتِ حکم کا اعتقاد نہ ہو“، تمام ائمہ نے یہ دو شرائط نہیں لگائیں۔ یہ احتیاط در احتیاط کا پہلو ہے۔ جس شرط پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، وہ صرف پہلی شرط ہے کہ ضعف شدید نہ ہو۔ یعنی راوی وضاع نہ ہو، کذاب نہ ہو، اس پر تہمتِ کذب نہ ہو۔ گویا فقط موضوع اور متروک کو نکال دیں، باقی 37 انواعِ حدیثِ ضعیف پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔

اِن دو شرائط کے مختلف فیہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف کسی خاص فضیلت اور خاص ثواب وعقاب کے بیان میں وارد ہوئی ہے اور اُس موضوع پر الگ سے کوئی حدیث صحیح اور حدیث حسن بھی اصل عام کے طور پر موجود نہیں، بلکہ حدیث ضعیف کی صورت میں صرف ایک ہی ثبوت ہے مگر حدیث فضائل کے باب میں ہے تو بہت سارے ائمہ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف بغیر اصلِ عام کے بھی قبول ہوگی۔

اسی طرح تیسری شرط ثبوت حکم کا عقیدہ نہ ہو بلکہ احتیاط کا عقیدہ ہو، یہ شرط بھی متفق علیہ نہیں۔

اِن دونوں شرطوں کو صرف علامہ ابن عبدالسلام اور علامہ ابن دقیق العید نے بیان کیا ہے۔ باقی ائمہ حدیث ضعیف کے حوالے سے مذکورہ دوسری اور تیسری شرط بھی نہیں لگاتے۔ اس سے اندازہ کریں کہ ائمہ کے مسلک، مشرب، مذہب اور تحقیق میں کتنی وسعت ہے۔

قبولیتِ حدیث ضعیف کی مختلف فیہ شرائط پر احتمالات

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے باب میں علامہ ابن عبدالسلام اور علامہ ابن دقیق العید کی بیان کردہ دو شرائط جنہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے روایت کیا، یہ شرائط متفق علیہ نہیں ہیں۔ یہ شرائط کمزور ہیں اور مختلف فیہ ہیں۔ سب ائمہ نے ان کو قبول نہیں کیا اور حدیث ضعیف کی قبولیت کے بارے میں اِتنی سخت پابندی نہیں لگائی۔ اس مسئلہ کو سمجھانے اور اس کی وضاحت کے لیے اگر عارضی طور پر ان شرائط کی پابندی کو قبول کرلیں تو اس موضوع پر تمام ابحاث کو پڑھنے، ائمہ کی تصریحات اور علماء کی تشریحات کو دیکھنے کے بعد میرے نزدیک اِس کے چند امکانات اور احتمالات بنتے ہیں۔ ذیل میں اصول حدیث اور اصول فقہ کی روشنی میں اِن احتمالات کو بیان کیا جارہا ہے:

ا۔ پہلا احتمال: اباحت یا استحباب

حدیثِ ضعیف کی قبولیت کے حوالے سے پہلا امکان یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف فضائلِ اعمال میں وارد ہوئی ہے اور اس میں ایک ایسی فضیلت کا بیان ہے کہ جس کے اندر کسی عمل کو حرام کیا جا رہا ہے اور نہ کسی عمل کو مکروہ کیا جا رہا ہے یعنی اس میں احتمالِ حرمت اور احتمالِ کراہت نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعے کسی عمل اور فعل کو حرام یا مکروہ قرار دیے جانے کا خدشہ اور احتمال نہیں ہے تو اب اُس حدیث کا درجہ کیا ہے؟

یاد رکھیں! اس طرح کی حدیث ضعیف کا عمل اور اثر صرف یہ ہے کہ اس سے اس فعل کا مباح یا مستحب ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

اگر یہ حدیث کسی عمل کو مباح ثابت کر رہی ہے تو ویسے ہی جائز ہے، اس لیے کہ کسی مباح عمل کے کرنے پر گناہ نہیں اور ترک کرنے پر بھی گناہ نہیں اور اگر یہ حدیث کسی عمل کو مستحب کررہی ہے تو اُس میں امکانِ ثواب ہے، تب بھی اِس صورت میں اُس حدیث پر عمل کر لیا جائے گا۔ اِس لیے کہ مستحب عمل کو کر لینے میں ثواب کی امید ہے اور ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ پس امیدِ ثواب کی بنا پر حدیث ضعیف پر عمل کر لینا افضل ہے۔

اس مسئلہ میں ان لوگوں کے لیے غور و فکر کا سامان ہے جو مختلف مباح اور مستحب امور کو حدیث ضعیف کے ذریعے حرام قرار دینے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ حدیث ضعیف کے ذریعے حرام قرار دینا ممکن نہیں۔ خواہ وہ میلاد کا عمل ہو، خواہ وہ نعت خوانی کا عمل ہو، محفل نعت کا عمل ہو یا دست بوسی کا عمل ہو، حدیث ضعیف سے ان اعمال و افعال کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ حدیث ضعیف سے منع نہ درجۂ حرمت میں ثابت ہوسکتی ہے اور نہ درجۂ کراہت میں ثابت ہوسکتی ہے۔

دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو ان اعمال و افعال کو جائز سمجھ رہا ہے یا مستحب سمجھ رہا ہے، تو ان اعمال کا حدیث ضعیف سے ثابت ہونے کی وجہ سے اس پر کراہت کا حکم نہیں لگا سکتے، اس لیے کہ کسی عمل کو مکروہ یا حرام حدیث ضعیف کی بناء پر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہذا مستحب ہونے کی وجہ سے احتمالِ ثواب ہے۔ جب ثواب کا امکان ہے اور کرنے پر گناہ نہیں تو کس چیز نے اس امکانِ ثواب کو حاصل کرنے سے روک رکھا ہے۔

احتمال چونکہ من وجہٍ ہوتا ہے لہذا دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اعمال جائز تو ہیں مگر ان اعمال کے کرنے پر ثواب نہیں ہوگا، اسی طرح اگر یہ اعمال نہیں کیے تو گناہ بھی کوئی نہیں۔ اس احتمال کے مطابق بھی اس عقیدہ کے حامل لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہے، اس لیے کہ پریشانی تو اُن کے لیے ہے جو منع کا فتویٰ دینا چاہتے ہیں۔

یہ حدیث ضعیف پر عمل کے حوالے سے پہلا اصول ہے۔

۲۔ دوسرا احتمال: حرمت یا استحباب

حدیثِ ضعیف کی قبولیت کے حوالے سے دوسرا امکان یہ ہوسکتا ہے کہ اگر حدیثِ ضعیف میں بیان کردہ حکم یا عمل حرمت اور استحباب کے درمیان گھومتا ہو تو اب اس حدیث کا درجہ کیا ہوگا؟ یعنی ممکن ہے وہ فعل حرام ہو اور ممکن ہے کہ وہ فعل مستحب ہو۔ اگر اُس کے مستحب ہونے یعنی خیر کے عمل ہونے کے مقابلے میں احتمال حرمت پیدا ہو جائے کہ کہیں یہ عمل حرام نہ ہو، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب اس حدیث کا درجہ کیا ہوگا؟

یاد رکھیں! اگر حدیث ضعیف میں بیان کردہ عمل میں احتمالِ حرمت اور احتمالِ استحباب دونوں پائے جائیں تو اُس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ ثواب کا احتمال کم ہے اور گناہ کا احتمال زیادہ ہے، لہذا ارجح یہ ہوگا کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

یہ حدیث ضعیف کے حوالے سے دوسرا اصول ہے۔

مثلاً: ہم تقبیل ابہامین کرتے ہیں، حضور علیہ السلام کا اسم پاک سنتے ہیں اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ عالمِ عرب کے اہلِ سنت کے ہاں یہ متداول نہیں ہے۔ جس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے، اِس کے اوپر حدیث ضعیف کا حکم ہے۔ ہمارے ہاں بحث ہوتی ہے کہ اِس مسئلہ کی اصل کوئی نہیں حالانکہ اس مسئلہ کا تعین کرنے کے لیے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس کا تعین کرنے کے لیے فقہاء اور علماء کی طرف رجوع کرنا ہوگا کہ وہ اس طرح کے مسئلہ کا تعین کیسے کرتے ہیں؟

یاد رکھیں! یہ عمل جس حدیث سے ثابت ہے، وہ حدیث نہایت کمزور ہے مگر اس عمل کو دوسرے زاویہ سے دیکھیں کہ کیا اس کی ممانعت کی کوئی حدیث موجود ہے؟ جب ہم اس سمت سے اس پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس حوالے سے منع کی کوئی حدیث نہیں ملتی۔ یعنی اس حوالے سے نہ احتمالِ حرمت ہے اور نہ احتمالِ کراہت ہے۔ صرف دو احتمالات ہیں:

یا تو یہ عمل مباح ہے یا یہ عمل مستحب ہے۔

منع کا حکم اس پر اس لیے نہیں لگا سکتے کہ منع کرنے کے لیے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ منع کس درجے کی ہے: حرام ہے یا مکروہ ہے؟ منع کا تیسرا درجہ کوئی نہیں۔ منع حرمت کے درجے میں ہوتی ہے یا کراہت کے درجے میں ہوتی ہے اور اس حرام اور مکروہ کو ثابت کرنے کے لیے حدیث صحیح یا حدیث حسن کی دلیل درکار ہوتی ہے۔ اگر حدیث صحیح اور حدیث حسن دونوں نہ ہوں تو منع ثابت نہیں ہوسکتی۔ مسئلہ تقبیل ابہامین میں جب منع ثابت نہ ہوئی تو وہ حکم یا عمل علی سبیل التنزل درجۂ اباحت پر آجانے کے سبب مباح ہے، جس کے کرنے میں گناہ ہے اور نہ ترک کرنے میں گناہ ہے۔ چاہتے ہیں کہ ترک کردیں تو اجازت ہے، نہ کریں۔ اور اگر کسی کا ذوق، طبیعت چاہتی ہے کہ کرے تو اُس کو منع نہیں کر سکتے، اسے کرنے دیں، فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ گویا کوئی عمل اگر مستحب نہ بھی ہو تو اباحت سے نچلے درجے میں تو جا نہیں سکتا، اس لیے کہ اباحت آخری درجہ ہے۔ لیکن اگر معاملہ احتمالِ حرمت اور استحباب کے درمیان آجائے تو پھر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ احتمالِ حرمت کی وجہ سے ترک کردیں گے۔

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁

محبتِ اولیاء کے ثمرات اور اولیاء کی بنیادی صفات

اولیاء اللہ سے محبت کرو تاکہ وہ تم سے محبت کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دلوں پر نظر رکھتا ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ کی کسی ولی کے دل میں تیرے نام پر نظر پڑ جائے اور تجھے بخش دے

گزشتہ سے پیوستہ

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے فرشتے ذکر کرنے والوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے دیکھتے ہیں تو دوسروں کو پکارتے ہیں کہ ادھر آؤ تمہاری حاجت پوری ہوگئی۔ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، زمین سے آسمانِ دنیا تک۔ مجلسِ ذکر ختم ہونے کے بعد فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ سو ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ انہیں خوب جانتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح، تکبیر اور تحمید کرتے تھے۔ تیری عزت و بزرگی بیان کررہے تھے۔ اللہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں: نہ بخدا، انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ فرماتا ہے: اگر مجھے دیکھ لیں تو کیسا منظر ہو۔ عرض کرتے ہیں: اگر دیکھ لیتے تو آپ کی اور زیادہ عبادت کرتے، زیادہ بڑائی کرتے اور زیادہ تسبیح کرتے۔ پھر فرماتا ہے: وہ کیا مانگتے تھے؟ عرض کرتے ہیں: آپ سے جنت مانگتے تھے۔ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ عرض کرتے ہیں: نہیں، بخدا پروردگار! انہوں نے نہیں دیکھا۔ فرماتا ہے: دیکھ لیں تو کیسا ہو؟ عرض کرتے ہیں: اگر اسے دیکھ لیں تو اس کی زیادہ خواہش، بہت طلب اور بہت رغبت کریں۔ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: دوزخ سے۔ فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہ بخدا، ہمارے رب! انہوں نے اسے دیکھا نہیں۔ فرماتا ہے: دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: دیکھ لیتے تو سخت بھاگتے اور اس سے بہت زیادہ خوفزدہ ہوتے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ ان میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: فلاں شخص ان میں شامل نہ تھا کسی کام کے لیے آگیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے:

هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ

یہ ایسی مجلس والے ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا، بدبخت و بے نصیب نہیں رہتا۔

صحیح مسلم کی روایت کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ اس طرح ہے کہ جب فرشتے اللہ کی بارگاہ میں مجلسِ ذکر میں شرکت کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو عرض کرتے ہیں:

یسئلونك قال وما ذا یسالونی قالوا یسئلونك جنتك قال وهل راوا جنتی قالوا لا ای رب قال وکیف لو راوا جنتی قالوا ویستجیرونك قال وما یستجیرونی قالوا من نارك قال و هل راوا ناری قالوا لا قال فکیف لو راوا ناری قالوا یستغفرونك قال فیقول قد غفرت لهم فاعطیتهم ما سالوا واجرتهم مما استجاروا یقولون رب فیهم فلان عبد خطآء وانما مر فجلس معهم قال فیقول وله غفرت هم القوم لا یسقیٰ بهم جلیسهم.

وہ تجھ سے سوال کررہے تھے۔ فرماتا ہے: مجھ سے کیا مانگتے تھے؟ عرض کرتے ہیں: تجھ سے تیری جنت مانگتے تھے۔

فرماتا ہے: تو کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے؟ عرض کرتے ہیں: نہیں ہمارے رب۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ تجھ سے پناہ مانگتے تھے۔ فرماتا ہے: مجھ سے کس چیز کی پناہ مانگتے تھے؟ عرض کرتے ہیں: تیری آگ کی۔ فرماتا: کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے؟ عرض کرتے ہیں: نہیں۔ فرماتا: کیسا ہوگا اگر میری آگ دیکھ لیتے؟ عرض کرتے ہیں: تجھ سے معافی مانگتے تھے۔ فرماتا ہے: میں نے انہیں بخش دیا اور جو انہوں نے مانگا دے دیا اور جس سے انہوں نے پناہ مانگی، میں نے انہیں پناہ دے دی۔ عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں گناہگار بھی تھا جو وہاں سے گزرا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ فرماتا ہے کہ میں نے اسے بھی بخش دیا، وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کا ہم نشین محروم و بدبخت نہیں رہتا۔

☆ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں:

لیس العجب من حبی لك وانا عبد فقیر، بل انما العجب من حبك لی وانت ملك قدیر.

عجیب بات یہ نہیں کہ میں تجھ سے محبت کروں جبکہ میں فقیر بندہ ہوں، عجیب بات تو یہ ہے کہ تُو مجھ سے محبت کرے جبکہ تُو قدرت والا بادشاہ ہے۔

(صفۃ الصفوۃ، ابوالفرج الجوزی، م۵۹۷، ج۴، طبع بیروت)

☆ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ لوگ حساب سے ڈرتے بھاگتے ہیں اور میں اللہ سے حساب کا سوال کرتا ہوں۔ کہا گیا کہ کیوں؟ فرمایا: اس امید پر کہ دوران حساب وہ فرمائے: یاعبدی، ''اے میرے بندے'' اور میں کہوں: **لبیك.** حاضر میرے رب۔ اس کا مجھے عبدی کہنا، مجھے دنیا و مافیہا سے اچھا لگتا ہے۔ **ثم بعد ذلك یفعل بی ماشآء.**

اس کے بعد مجھ سے جو چاہے کرے۔

(ابن قیم الجوزیہ، صفۃ الصفوۃ، ج۴، ۳۵۵)

☆ ابو موسیٰ الدیبلی کہتے ہیں کہ ایک شخص کو بایزید بسطامی سے پوچھتے سنا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو اللہ کے قریب کردے۔ انہوں نے فرمایا:

احبب اولیآء اللہ تعالیٰ لیحبوك فان اللہ تعالیٰ ینظر الی قلوب الاولیائه فلعله ان ینظر الی اسمك فی قلب ولیه فیغفرلك.

اولیاء اللہ سے محبت کرو تاکہ وہ تم سے محبت کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دلوں پر نظر رکھتا ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ کی کسی ولی کے دل میں تیرے نام پر نظر پڑجائے اور تجھے بخش دے۔

☆ عیسیٰ بن آدم ابو زید بسطامی کے بھائی سے نقل کرتے ہیں کہ بایزید بسطامی اپنے نفس کو نصیحت کررہے تھے اور چلا کر فرمارہے تھے کہ اے ہر برائی کے ٹھکانے، عورت کو حیض آئے تو تین یا زیادہ سے زیادہ دس دن میں پاک ہوجاتی ہے، اے نفس تو بیس، تیس سال سے بیٹھا ہوا ہے، تو پاک نہ ہوا، کب پاک ہوگا۔

ان وقوفك بین یدی طاهر ینبغی ان یکون طاهرا.

اس پاک ذات کے سامنے تیرا کھڑا ہونا پاک حال میں ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ میں نے دیکھا لوگ دنیا میں لذت اندوز ہوتے نکاح سے اور کھانے پینے سے اور آخرت میں منکوح و ملذوذ سے، میں نے اپنے لذت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور آخرت میں اس کے دیدار میں محفوظ رکھ لی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان من ضعف الیقین ان ترضی الناس بسخط اللہ.

ایمان کی کمزوری یہ بھی ہے کہ تم لوگوں کو راضی کرو، اللہ کی ناراضگی میں۔ (بیہقی فی شعب الایمان/ صفۃ الصفوۃ، ۴/۳۵۶)

اولیاء کی بنیادی صفات

ولی اللہ کے لیے دو بنیادی صفات لازمی ہیں: ایمان اور تقویٰ۔ ایمان تو نبی کی ہر بات کی دل سے تصدیق کا نام ہے اور تقویٰ، اپنے اعمال ظاہری سے ایمانی تقاضوں کی تعمیل اور ان کی مخالفت سے بچنا۔ تصدیق قلبی تو نظر آنے والی نہیں مگر ظاہری اعمال اس کی باطنی کیفیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً: جسم اور لباس کی طہارت، نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا، رزق حلال کھانا، حرام سے بچنا اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کرنا اور ظلم کے خلاف جہدِ مسلسل۔

اولیاء اللہ کی شہرت و عزت دیکھ کر ہر ایک کا دل چاہتا ہے کہ مجھے بھی سب کچھ مل جائے مگر افسوس کہ اس کے لیے جس محنت و کاوش کی ضرورت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ وہ نہ کرنی پڑے۔ حالانکہ اللہ کا فرمان ہے: **لیس للانسان الا ماسعٰی.**

انسان کے لیے اس کی سعی و محنت کے سوا کچھ نہیں۔

آج اولیاء اللہ کی شان و شوکت کو دیکھ کر ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے کچھ کیے بغیر ولایت مل جائے اور میں پرتعیش زندگی بسر کروں، محلات ہوں، باغات ہوں، عیاشی کا سامان فراوانی کے ساتھ ہو، جبکہ ہمارا ظاہر و باطن تضادات کا مجموعہ، قول و فعل میں اختلاف، نماز، روزہ سے دور، مسجدیں بڑی بڑی، مگر نمازی خال خال، کیونکہ ''اولیاء'' دوسرے مشاغل میں مشغول۔ ان کی مساجد ویران، خانقاہیں تعلیم و تربیت سے خالی، سال میں چند دن کاروبار چمکانے کے لیے اعراس و میلے، جن میں روحانیت ناپید۔ علم سے بھاگنے والے عوام میں جہالت و غربت بانٹنے والے۔ بقول علامہ مرحوم

متاعِ علم و عرفاں لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خونریز ہے ساقی

صوفیاء و اولیاء کی ریاضت

☆ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمی (م ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ صوفیاء کی ریاضت دین کے تحت ہوتی ہے اور برے مقاصد سے خالی ہوتی ہے۔ ان کا مقصد کلی طور پر جمع ہمت اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے تاکہ اہل عرفان و معرفت و توحید کے مزے چکھیں۔ یہ دلجمعی و فقر و فاقہ کے لیے اپنی محنت و ریاضت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ ذکر کی غذا سے اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ نفس ذکر سے نشوونما پاکر معرفت خداوندی سے قریب تر ہوجاتا ہے اور جب ریاضت ذکر الٰہی سے خالی ہو تو شیطنیت بن جاتی ہے۔ معرفتِ غیب و تصرف ان صوفیاء کے لیے اصل مقصد نہیں، معمولی چیزیں ہیں۔ اگر شروع سے یہ مقصود ہوجائیں تو مقصود غیر اللہ ہوگیا، ہاں مقصود اصلی کے راستے میں یہ چیزیں مل جائیں تو وہ مقصود بالذات نہیں بالعرض ہے۔ اس غیب و شہود کا حصول ان کے ہاں فراست مومن ہے اور کشف و کرامت ہے اور ان میں سے کسی چیز کا انکار ممکن نہیں۔ (تاریخ ابن خلدون ا۔۹۲، طبع بیروت، لبنان)

اولیاء اللہ کا کردار

جب ہارون الرشید مدینہ منورہ حاضر ہوا تو امام مالک کی خدمت میں پانچ سو دینار کی تھیلی نذر کی۔ اس نے مناسک حج سے فارغ ہوکر واپسی پر امام مالکؒ کو پیغام بھیجا:

ان امیرالمومنین یحب ان تتنقل معه الی مدینة السلام.

قاصد نے کہا: امیرالمومنین چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ہمراہ مدینۃ السلام (بغداد) چلیں۔

آپ نے قاصد سے فرمایا کہ بادشاہ سے کہو:

ان الکیس بخاتمه دیناروں کی تھیلی سر بمہر محفوظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **والمدینة خیرلهم لو کانوا یعلمون.** مدینہ ان کے لیے بہتر ہے کاش وہ جانیں۔

(جامع بیان العلم وفضله، علامه ابن عبدالبر، ۱: ۲۲۸)

علامہ اقبالؒ رموزِ بے خودی میں اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

گفت مالک مصطفیٰ را چاکرم
نیست جز سودای او اندر سرم
من کہ باشم بستہ فتراک او
بر نخیزم از حریم پاک او
زندہ از تقبیل خاک یثربم
خوشتر از روز عراق آمد شبم
عشق می گوید کہ فرمانم پذیر
پادشاہان را بخدمت ہم مگیر
تو ہمی خواہی مرا آقا شوی
بندہ آزاد را مولا شوی

امام مالکؒ نے فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ کا غلام ہوں؛ میرے اندر صرف حضور ﷺ کی غلامی کا سودا سمایا ہوا ہے۔ میں ان (ﷺ) کی محبت کے فتراک میں بندھا ہوا ہوں اس لیے ان کے حریم پاک (مدینہ منوّرہ سے) کہیں جانہیں سکتا۔ خاک یثرب کو بوسہ دینا ہی میری زندگی ہے؛ اس وجہ سے میری رات روز عراق سے بہتر ہے۔ عشق کہتا ہے کہ صرف میرا حکم مان؛ بادشاہوں کا حکم نہ مان۔ تو چاہتا ہے کہ تو میرا آقا بنے؛ اور مجھ جیسے بندۂ آزاد کو اپنا غلام بنائے۔ تجھے پڑھانے کے لیے میں تیرے دروازے پر آؤں؛ ملّت کا خادم کسی فرد کا چاکر نہیں ہوسکتا۔ تو اگر علم دین حاصل کرنا چاہتا ہے تو آ کر میرے حلقۂ درس میں بیٹھ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نازک مرحلہ پر امن اور اعتدال کا راستہ اختیار کیا

بدامنی اور عدم تحفظ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنی تصنیف "دستورِ مدینہ" میں امن کے نایاب پہلو اجاگر کیے

میثاقِ مدینہ بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کا سب سے بڑا انسانی معاہدہ ہے

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

یہ امر کسی دلیل اور وضاحت کا محتاج نہیں کہ اندرونی و خارجی سطح پر امن و امان، ذہنی سکون، قلبی اطمینان اور جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ و سلامتی کا احساس انسان کی انفرادی اور اجتماعی ضرورت ہے کیونکہ اس کی تمام معاشرتی، تعلیمی، کاروباری، سیاسی، اقتصادی، قومی اور بین الاقوامی سرگرمیاں اور بھاگ دوڑ پُر امن حالات اور پُر سکون ماحول سے مشروط ہیں۔ دینوی اور کاروباری مساعی کے علاوہ عبادات اور مذہبی و روحانی مراسم بھی امن و امان کے بغیر ادا نہیں کیے جاسکتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے بیت اللہ/ خانہ کعبہ کو مرجع الخلائق ہونے کا اعزاز بخشا تو انسانی اجتماع میں بعض شر پسند اور فسادی طبائع کی وجہ سے متوقع دنگا فساد سے زائرین بیت اللہ کو بچانے کے لیے صرف کعبہ کی چار دیواری ہی نہیں بلکہ میلوں تک پورے حرمِ کعبہ کو بھی امن کا گہوارہ بنادیا۔ اب یہاں خون ریزی کی اجازت ہے اور نہ شکار کی، نہ درخت کاٹا جاسکتا ہے اور نہ سبزہ اکھاڑا جاسکتا ہے۔

امن و امان نہ ہو تو انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو ہی نہیں روزی اور معیشت بھی داؤ پر لگ جاتی ہے۔ زندگی میں امن و عافیت اور اطمینان و سکون کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ آدمی کو اگر امن و امان حاصل نہیں، اس کی ذات ہر وقت خوف اور ڈر سے دوچار ہے اور دہشت گردی کا خطرہ ہمہ وقت لاحق ہے تو دنیا بھر کی نعمتیں، مراعات، سامانِ تعیش حتی کہ اقتدار و اختیارات بھی اس کے لیے بیکار ہیں۔ اس کے برعکس اگر وہ مال و دولت اور تعیشاتِ دنیا سے تہی دامن سہی مگر اسے امن و عافیت اور قوت لا یموت حاصل ہے تو یہ چیز دنیا بھر کے خزانوں کے مترادف ہے۔ اسی لیے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

من اصبح منکم آمنا فی سربه معافی فی جسده عنده قوت (طعام) یومه فکانما حیزت له الدنیا.

(بخاری، الادب المفرد، باب من اصبح امنا فی سربه، رقم: ۳۰۰)

''تم میں سے جو آدمی اس حال میں صبح کرے کہ اسے اپنے گھر میں امن و امان حاصل ہو، اس کا جسم تمام بیماریوں سے محفوظ ہو، اس کے پاس اس دن کی روزی موجود ہو تو گویا ساری دنیا اس کے لیے جمع کردی گئی۔

حضور ﷺ کے نظام کا مقصد۔ عالمی امن کا قیام

حضور اکرم ﷺ از روئے قرآن چونکہ آفاقی اور دائمی نبی اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں اس لیے آپ نے دنیا کو جو پیغام، پروگرام اور حکومتی، سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی نظام دیا، اس کا ایک بڑا مقصد دنیا بھر سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ، انسانیت کی تعظیم و تکریم، انسان کے بنیادی حقوق کی حفاظت، تمام اسبابِ فتنہ کا قلع قمع اور جرائم کی بیخ کنی کے ذریعے عالمی سطح پر امن و امان کا قیام اور ہر انسان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے لیے تحفظ و سلامتی کا سامان کرنا بھی تھا۔

چنانچہ ابتدائے اسلام میں اہلِ اسلام پر کفارِ مکہ کے حد درجہ مظالم اور واقعات کی شکایت کرتے ہوئے حضرت خباب بن الارت نے اللہ کے رسول معظم ﷺ سے جب یہ عرض کیا کہ

’’الا تستنصرلنا؟ الا تدعو الله لنا؟‘‘

کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد نہیں چاہیں گے اور کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟

تو حضور ﷺ نے دین کی راہ میں پچھلی امتوں کے بعض لوگوں پر ہونے والے مظالم بیان کرکے انہیں حوصلہ دلایا اور اپنے نورِ نبوت سے پیش گوئی بھی فرمائی کہ

والله ليتمن هذا الامر حتى يسيرا راكب من صنعاء الى حضر موت لايخاف الا الله او الذئب على غنمه ولكنكم تستعجلون. (بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم: ۳۶۱۲)

’’اللہ کی قسم یہ معاملہ (دین اسلام) غالب ہوکر رہے گا حتی کہ ایک اکیلا سوار شخص صنعاء (یمن کے ایک شہر کا نام) سے حضر موت تک اس حال میں سفر کرے گا کہ اسے اللہ کے سوا کسی (لٹیرے) کا ڈر نہ ہوگا اور نہ ہی اپنی بھیڑ بکریوں پر بھیڑیے کا ڈر ہوگا مگر تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو (حوصلہ رکھو یہ وقت بھی آئے گا)۔

معلوم ہوا کہ اسلام یا نظامِ مصطفی ﷺ کا بڑا مقصد دنیا بھر میں امن و امان کا قیام، معاشی خوشحالی اور بلا تفریق ہر آدمی کے لیے ایسے پُر امن حالات اور پرامن ماحول مہیا کرنا ہے کہ کسی بھی آدمی کو اپنی جان و مال یا عزت و آبرو لٹنے کا اندیشہ نہ رہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سرشت میں امن پسندی

حضور اکرم ﷺ کی ویسے تو ساری زندگی اور اعلانِ نبوت سے پہلے اور بعد کا طرزِ عمل اور متعدد اقدامات امن پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں جنہیں ہم حضور ﷺ کی حد درجہ دور اندیشی، زیرکی، باطنی بصیرت، انتہاء درجے کی عقلمندی، معاملہ فہمی اور صبر و برداشت جیسے اوصاف حمیدہ یا نورِ نبوت کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔ تاہم ایامِ شیر خوارگی اور بالکل بچپن سے ہی آپ ﷺ کے طور اطوار اور بعض عادات سے مترشح ہوتا ہے کہ امن پسندی اور صلح جوئی آپ کی سرشت اور جبلت و فطرت میں داخل تھی۔ جس کی طرف قاضی سلیمان منصور پوری نے یوں اشارہ کیا ہے:

’’نبی ﷺ کے والدین کے اسماء پر نظر کرو، اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے ہر ایک مؤرخ تعجب کرے گا کہ ایسے پاک نام کیوں کر رکھے گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ارہاصِ نبوت تھا، جس بچے کو باپ کے خون سے عبودیت الٰہی اور ماں کے دودھ سے امن عامہ کی گھٹی ملی ہو، کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کہ وہ محمود الافعال حمید الصفات ہو اور تمام دنیا کی زبان سے محمد ﷺ کہلائے۔ (رحمۃ للعالمین، ۲:۹۳)

اس چیز کو اگر ہم ان الفاظ سے تعبیر کریں تو شاید بے ادبی نہ ہوگی کہ جس بچے کے نُطفے میں عبودیتِ الٰہی کا عنصر شامل ہو، جس نے نو ماہ تک سیدہ آمنہؑ کے شکم مبارک میں امن کی تربیت پائی ہو، پھر اس نے دو سال تک سیدہ حلیمہؑ کی چھاتی مبارک سے حِلم کا دودھ پیا ہو تو اس کی سرشت اور جبلت میں بندگی، امن پسندی اور حوصلہ و برداشت کی صفات نہ ہوں گی تو اور کیا ہوگا۔ پھر آپ ﷺ کی بعض عادات اور معمولات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ مثلاً: آپ کی رضاعی ماں سیدہ حلیمہؑ آپ کو پہلی دفعہ جناب کی والدہ ماجدہ سے لے کر اپنی گود میں لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

’’میں آپ ﷺ کو لے کر اپنی منزل (رہائش) کی طرف آگئی، اپنی گود میں بٹھایا تو میری (خشک) چھاتی دودھ سے لبریز ہوگئی (سیرت حلبیہ، ۱:۱۴۷) میں نے چھاتی کی دائیں جانب پیش کی تو حسبِ منشا دودھ نوش فرما کر منہ ہٹالیا۔ میں نے بائیں طرف سے دودھ پلانے کی کوشش کی تو دودھ نہ پیا اور یہ عادت (بائیں طرف سے دودھ نہ پینا) بعد میں بھی جاری رہی‘‘۔ (قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۱:۱۵۲)

اس عادتِ محمدیہ پر علامہ سہیلی کا تجزیہ وتبصرہ یہ ہے کہ

’’گویا آپ ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ماں کے دودھ میں آپ ﷺ کا ایک شریک بھائی بھی ہے اور عدل کرنا آپ ﷺ کی فطرت میں داخل تھا‘‘۔ (السہیلی، الروض الانف، ۱:۱۸۷)

اسی طرح ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے ابن سعدؒ کے حوالے سے بچپن کی ایک اور عادت کریمہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لڑنا جھگڑنا اور بدامنی کا محرک کوئی کام کرنا آپ ﷺ کی فطرت میں ہی شامل نہ تھا۔

''ابن سعد کے مطابق ابو طالب کے گھر میں بچوں کا ناشتہ جب آتا تو سب مل کر ''لوٹ لیتے'' لیکن جب چند مرتبہ دیکھا کہ یتیم بھتیجا اس لوٹ میں شریک نہیں رہتا تو پھر آپ کا ناشتہ الگ اور مستقل دیا جانے لگا''۔ (رسول اللہؐ کی سیاسی زندگی، ص:۵۰)

علی ہذا القیاس حضور اکرم ﷺ نے بچپن میں ایک مرتبہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر سیدہ خدیجہ کی ایک بہن کے اونٹ اجرت پر چرائے۔ مدت اجارہ ختم ہوگئی تو ان کا کچھ پیسہ مالکہ کے ذمہ رہ گیا۔ آپ کا مذکورہ ساتھی اس خاتون کے پاس جاتا اور مزدوری کا تقاضا کرتا۔ ایک دن اس نے آپ ﷺ سے کہا: آپ ﷺ بھی میرے ساتھ چلیں اور اس خاتون سے اپنی مزدوری کا مطالبہ کریں۔ فرمایا: تم ہی جاؤ، مجھے تو اس سے پیسے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پھر جب وہ ساتھی گیا تو اس خاتون نے پوچھا: محمد کہاں ہیں؟ اس نے حضور ﷺ کی بات ذکر کردی کہ انہیں پیسے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ سن کر وہ خاتون کہنے لگی:

ما رایت رجلا اشد حیاء و لا اعف منه.

''میں نے ان (محمد) سے بڑھ کر کوئی آدمی حیا دار اور پاکدامن نہیں دیکھا''۔ (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۲۲۱)

امن وسلامتی کے لیے اقدامات

نبی رحمت ﷺ آج کل کی بعض بڑی طاقتوں اور سیاستدانوں کی طرح امن وسلامتی کے زبانی کلامی دعویدار نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ نے امن وسلامتی کا ایک اعلیٰ نمونہ بن کر دکھایا۔ امن وسلامتی کی تعلیمات و ہدایات اور بدامنی کے تمام اسباب ومحرکات کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے زندگی بھر اعلان نبوت سے پہلے اور بعد امن وسلامتی اور صلح و آشتی کے لیے جو اقدامات فرمائے ان تمام کے احاطہ کی یہاں گنجائش نہیں ہوسکتی، اس لیے ہم ثبوتِ دعویٰ کے طور پر چند ایک کے ہی مختصر ذکر پر اکتفا کریں گے:

ا۔ قیامِ امن اور خاتمۂ ظلم کی انجمن میں شرکت

عرب کا معاشرہ لڑاکا اور جنگجو قسم کا تھا۔ علاوہ ازیں غریب لوگوں پر ظلم و زیادتی بڑے لوگوں کا عام وطیرہ تھا۔ ملک بھر میں بدامنی، راستوں کا محفوظ نہ ہونا، مسافروں کا لٹ جانا ایک معمول بن چکا تھا۔ ایسے حالات میں مکہ کے ایک رئیس اور بااثر آدمی عاص بن وائل سہمی نے جب قبیلہ زبیر کے ایک اجنبی مسافر کا حق مار کر حرم کعبہ کا بھی پاس نہ کیا تو حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک اور ایما پر قبیلہ تیم کے بزرگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں چند قبائل کے معززین اور سرکردہ حضرات اس مقصد میں غور کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔

حضور اکرم ﷺ اگرچہ اس وقت بیس سال کے نوجوان تھے اور یہ عمر عام طور پر مذکورہ قسم کے قومی اور معاشرتی سنجیدہ مسائل و معاملات میں شرکت کی نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود امن و آشتی، صلح و مصالحت، انسانی ہمدردی و خیر خواہی اور مظلوموں کی حمایت و نصرت کے فطری جذبہ کے تحت جو آپ ﷺ کے اندر انگڑائیاں لے رہا تھا، آپ ﷺ بھی اس میں شامل ہوئے۔

معاشرتی امن و امان اور اطمینان وسکون کی تباہی کا بڑا سبب چونکہ کسی بھی آدمی پر ظلم و زیادتی اور حق تلفی ہوا کرتا ہے، اس لیے اس مجلس مشاورت نے یہ پختہ عہد کیا کہ:

ا۔ اہل مکہ یا باہر سے آنے والے کسی بھی آدمی پر ظلم ہوگا تو ہم ہمیشہ اس کی حمایت میں ایک ہاتھ اور طاقت بن جائیں گے۔

۲۔ ظالم کے خلاف یہ ہاتھ اس وقت تک اٹھا رہے گا جب تک کہ وہ مظلوم کا حق واپس نہ کردے۔

(ابن ہشام، سیرۃ النبی، ۱:۱۴۵)

۳۔ ہر اجنبی اور مسافر کے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ (السہیلی، الروض الانف، ۱:۱۵۷)

اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' کے نام سے موسوم کیا گیا

کیونکہ عہد قدیم میں بنو جرھم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا، ان تینوں کا نام فضل تھا۔ کیونکہ اس معاہدہ کے بھی وہی مقاصد تھے، اس لیے اس کو بھی ''حلف الفضول'' کے نام سے شہرت ملی۔ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کردے۔ اب اسے مجالِ انکار نہ رہی اور اس نے مجبوراً اس کا مال واپس کردیا۔

یہ معاہدہ چونکہ رحمت عالم ﷺ کی فطرتِ سلیمہ، امن پسند طبیعت اور انصاف پسند مزاج کے عین مطابق اور حضور ﷺ کے غمخوار دل کی آواز تھا، اس لیے بعثت کے بعد بھی حضور ﷺ اس معاہدہ میں شرکت پر بڑے فخر کے ساتھ اظہارِ مسرت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ فرمایا:

لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا ما احب ان لی به حمر النعم ولو دعی به فی الاسلام لا جبت

''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا جب حلف فضول طے پایا۔ اس کے بدلے میں اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کے لیے تیار نہیں اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو اسے قبول کروں گا''۔

اس قیام انجمن میں نبی رحمت ﷺ کی شرکت محض خانہ پری اور برکت کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے اس میں بھرپور کردار ادا کرکے اور نوجوانوں کا ایک مسلح دستہ ساتھ ملاکر اس میں جان ڈال دی تھی۔ چنانچہ مکہ کے ایک دولت مند تاجر نے ایک حاجی کی بیٹی اغوا کرلی تو نوجوان دستہ کی مدد سے بچی کو برآمد کرایا۔ اسی طرح ابوجہل نے مکہ میں آنے والے ایک تاجر سے سامان خرید کر قیمت ادا کرنے میں لیت ولعل سے کام لیا تو آپ ﷺ نے اکیلے جاکر اس تاجر کو ابوجہل سے قیمت دلوائی۔ (ضیاء النبی، ۲: ۱۲۳)

۲۔ قریشِ مکہ کی ایذا رسانی پر صبر

قریشِ مکہ کی مسلسل ایذاء رسانی اور استہزاء پر حضور ﷺ کا صبر اور اہل اسلام کو ان کی اذیت رسانی پر صبرو برداشت کی تلقین بھی امن پسندی کی دلیل ہے۔ علامہ حلبی کی صراحت کے مطابق حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد قریش مکہ میں ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور حارث بن قیس وغیرہ جیسے بدبخت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ استہزاء اور اذیت پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ یہ بدنصیب لوگ کس طرح حضور ﷺ کا مذاق اڑاتے، بدتمیزیاں کرتے، کیسے تنگ کرتے، کیسے ستاتے، کیسے منہ چڑاتے؟ اس دلگداز اور جگر پاش داستان سے سیرۃ ابن ھشام، سیرۃ حلبیہ کے علاوہ متعدد عربی اور اردو کتب سیرت بھری ہوئی ہیں۔

اسی طرح حضرت بلال، یاسر، عمار بن یاسر، ابوفکیہہ، صہیب رومی اور حضرت خباب بن الارت اور دوسرے آزاد مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کے ریکارڈ توڑے گئے اور جسمانی اذیتوں کی حدیں عبور کی گئیں، ان کی تفصیل کی بھی یہاں گنجائش نہیں۔ اس اشتعال انگیز صورتِ حال میں حضور ﷺ کا اپنے معتقدین، اپنے ماننے والوں کی جماعت اور قبائلی عصبیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی جتھا بناکر مزاحمت کی بجائے ہمیشہ صبر سے کام لینا اور ان تمام مصائب کا سہتے رہنا بھی حضور ﷺ کی امن پسندی کی دلیل ہے۔

۳۔ ہجرت حبشہ و مدینہ۔ امن پسندی کا ثبوت

نبوت کے پانچویں سال جب کفار مکہ نے مسلمانوں کو ستانے میں حد کردی اور وہاں اپنا مذہب بچانا اور اپنے عقیدہ و نظریہ کے مطابق زندگی گزارنا ہی نہیں بلکہ جان بچانا بھی مشکل ہوگیا تو نبی رحمت ﷺ نے مسلمانوں کو قریبی عیسائی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمادی اور فرمایا:

''وہاں کا بادشاہ رعایا پر ظلم نہیں کرتا''۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے اولاً ۱۲ مردوں ۴ خواتین پر مشتمل ایک چھوٹا قافلہ حبشہ چلا گیا۔ اس قافلہ میں حضور ﷺ کے داماد حضرت عثمانؓ بن عفان اور آپ کی لخت جگر سیدہ رقیہؓ بھی تھیں۔ بعد ازاں ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ اپنا دین اور جان بچانے کی

خاطر اپنا گھر بار، کاروبار اور وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرگیا۔ (ابن ھشام: سیرۃ النبی، ۱: ۳۵۸)

☆ اسی طرح اہل مدینہ کی طرف سے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے حالات سازگار ہونے پر نبی رحمتﷺ نے پہلے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکہ سے باہر نہیں گئے تھے لیکن ان پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے، یثرب (مدینہ منورہ) چلے جانے کی اجازت فرمادی۔ بعد ازاں خود بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

یہ دونوں ہجرتیں خصوصاً ہجرت مدینہ بھی حضور اکرمﷺ کی امن پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اب تو مسلمانوں میں حضورﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب جیسے رعب داب والے اور معاشرتی اثر و رسوخ کے حامل لوگوں سمیت ایک معقول تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوچکی تھی۔ حضور چاہتے تو ہجرت کی رات اپنے گھر کے محاصرہ کے وقت حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ جیسے جان نثاروں اور دلیروں کو مقابلے میں لاسکتے تھے۔ حضور اکرمﷺ نے بادل نخواستہ اپنا گھر، وطن اور مکہ مکرمہ جیسا پاکیزہ اور محبوب آبائی شہر خاموشی سے چھوڑنا قبول کرلیا مگر مکہ مکرمہ کے پُرامن شہر اور پُر امن ماحول میں کسی قسم کی بدامنی اور فتنہ و فساد کھڑا نہ کیا۔

۴۔ میثاقِ مدینہ۔ قیامِ امن کی زبردست تدبیر

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد حضور اکرمﷺ نے وہاں قیام امن کے لیے جو بہت بڑا قدم اٹھایا اور تدبیر فرمائی وہ مدینہ منورہ کے اندر قیام پذیر مسلمانوں (مہاجرین و انصار)، یہودیوں، مختلف النسل لوگوں اور مختلف قبائل کے درمیان ایک تحریری معاہدہ تھا جو سیرت کی کتابوں میں ''میثاق مدینہ'' کے نام سے معروف ہے۔

اس معاہدہ کا بنیادی مقصد باہمی حقوق کی پاسداری، ایک دوسرے کی اعانت، آپس میں جنگ کی ممانعت، ظلم و زیادتی کا استیصال، بیرونی حملے کی صورت میں مشترکہ دفاع، ظالم آدمی سے کسی بھی قسم کے تعاون سے گریز اور صرف مدینہ منورہ میں ہی نہیں بلکہ اردگرد کے تمام علاقوں میں امن کا قیام تھا۔

گویا یہ ایک پُر امن بقائے باہمی (Coexistence) کا معاہدہ تھا، جس سے امن و سلامتی کا ماحول پیدا کرنے میں بڑی مدد ملی۔ سیرت کی دیگر متعدد کتابوں کے علاوہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ''میثاقِ مدینہ'' کے عنوان سے اپنی تصنیف میں نیز سیرت الرسول کے مقدمہ میں اس کی تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے الازہر سے Ph.D بھی اسی موضوع پر کی ہے، ان کا عربی زبان میں مقالہ بھی اس معاہدہ کے بہت سے نایاب پہلوؤں کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ میثاق مدینہ کی درج ذیل دفعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں آپﷺ نے کس طرح امن و امان قائم رکھنے کے لیے تدابیر اختیار فرمائیں اور کس طرح ہر تدبیر میں امن و سلامتی نمایاں ہوتی ہے:

دفعہ ۲۲: جو مسلمان اس تحریری دستاویز کو تسلیم کرے، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے، اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی فسادی اور قانون شکن شخص کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔

دفعہ ۴۵ (الف): اگر ان لوگوں کو کہیں سے صلح کی دعوت دی جائے یا صلح میں شمولیت کا کہا جائے تو وہ اسے قبول کریں گے اور اس میں شامل ہوں گے۔

دفعہ ۴۷: یہ دستاویز کسی ظالم اور مجرم کے آڑے نہیں آئے گی۔ جو شخص مدینہ سے باہر نکلے گا، وہ بھی محفوظ رہے گا اور جو مدینہ میں رہے گا وہ بھی محفوظ، سوائے اس کے جو زیادتی یا جرم کرے۔

دفعہ ۴۷: مدینہ ایک مکمل پرامن اور محفوظ شہر رہے گا اور مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کو آزادی ہوگی کہ چاہیں تو شہر میں رہیں اور چاہیں تو شہر سے باہر منتقل ہوجائیں۔

دفعہ ۱۳: اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا جبراً کوئی چیز حاصل کرنا چاہے یا گناہ یا ظلم کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے تو ایسے شخص کے خلاف بھی ان کے ہاتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁❁

رموزِ حیات

عملی اور فکری لغزشوں سے حفاظت کیونکر ممکن ہے؟

حقائق تک رسائی کے 4 راستے ...... سچی طلب، تدبر، دعا اور تواضع ہیں

کامیاب زندگی کی عمارت کی خشتِ اول حالات کا درست تجزیہ ہے

شفاقت علی شیخ

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے وہ اُتنی ہی نایاب بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی معاملہ زندگی اور کائنات کے حقائق کے حوالے سے بھی ہے۔ کسی بھی معاملے میں حقیقت ایک ہوتی ہے تو اُس کے بالمقابل فسانے سو ہوتے ہیں، ہدایت کا راستہ ایک ہے تو گمراہی کے راستے ہزار ہیں جن میں وہ لپٹا ہوا ہے۔ گویا حقیقت عام طور پر بالکل عیاں ہو کر سامنے نہیں آتی کہ ہر شخص اُسے دیکھتے ہی پہچان لے بلکہ فریبوں اور سرابوں میں چھپی ہوتی ہے اور شکوک وشبہات کی تہہ میں لپٹی ہوتی ہے۔ ان پردوں کو پھاڑ کر ہی حقیقت تک پہنچنا ہوتا ہے اور یہی انسان سے مطلوب ہے کہ وہ گہرے غور وفکر کے ذریعے کسی بھی معاملے کی اصل حقیقت کو جان لے اور اُسی کے مطابق اپنے طرزِ عمل کو متعین کرے۔ جس شخص نے ایسا کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جو ایسا نہ کر سکا، ناکامی اور نامرادی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔

حقائق تک رسائی کے لیے درج ذیل شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے:

۱۔ سچی طلب ۲۔ غور وفکر

۳۔ دعا ۴۔ تواضع

۱۔ انسان کے مزاج میں اس حد تک حقیقت پسندی موجود ہو کہ وہ حقیقت سے کم تر درجے کی کسی شے پر مطمئن نہ ہو سکے۔ وہ حقیقت کا اسی طرح متلاشی ہو جیسے پیاسا آدمی پانی کا ہوتا ہے۔

۲۔ ہر معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے غور وفکر کی صلاحیتوں کو بھرپور طریقے سے استعمال کرنا ضروری ہے۔ محض سطحیت پسندی اور سرسری طور پر کسی چیز یا معاملے کو دیکھنے سے غلطی کا امکان پوری طرح موجود ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ حقیقتِ حال کو آشکار فرمادے جیسا کہ حضور ﷺ کی دُعاؤں میں سے ایک یہ دعا تھی:

اللہم ارنا الاشیاء کما ھی و ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وار زقنا اجتنابه.

(ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، 110/10)

’’اے اللہ ہمیں چیزوں کو اُسی طرح دیکھنے کی توفیق عطا فرما، جیسی وہ ہیں اور ہمیں حق کو حق کی صورت میں دیکھنے اور پھر اُس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل کے روپ میں دیکھنے اور پھر اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرما‘‘۔

۴۔ علاوہ ازیں انسان کے مزاج میں تواضع کا ہونا بھی بہت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے سے باہر پائی جانے والی صداقتوں کا اعتراف بھی کر سکے ورنہ جس انسان کے اندر تکبر ہوگا اُس پر کسی معاملے میں اپنی غلطی واضح بھی ہو گئی تب بھی اُس کی انانیت اُسے قبول کرنے میں رکاوٹ بن جائے گی اور یوں وہ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی آف لاہور

منزل پر پہنچ کر بھی منزل سے محروم رہ جائے گا۔حضور ﷺ نے تکبر کی نشانیوں میں سے ایک نشانی انکارِ حق بھی بیان فرمائی ہے:

الکبر من بطر الحق وغمط الناس.

’’تکبر یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے‘‘۔ (سنن أبي داود، کتاب اللباس، باب ما جاء في الکبر، رقم:4092، 59/4)

اس کے ساتھ اگر زندگی کے کچھ قوانین کو جان لیا جائے تو زندگی کی اُلجھی ہوئی گرہوں کو سلجھانا اور فکری لغزشوں سے بچ کر راست روی تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ذیل میں اسی حوالے سے چند اہم نکات دیے جا رہے ہیں جنھیں ملحوظِ خاطر رکھنے سے بہت ساری جگہوں پر انسان فکری گمراہیوں سے بچ سکتا ہے:

ا۔مثالیت پسندی (Idealism) اور عملیت پسندی (Practicalism) میں فرق

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک معیاری دنیا کی طلب رکھ دی ہے جو ہر قسم کی کمیوں سے پاک ہو اور خوب سے خوب تر ہو۔ موجودہ دنیا میں یہ صلاحیت اور استعداد نہیں ہے کہ وہ انسان کے حوصلوں اور تمناؤں کی مکمل تسکین کا سامان مہیا کر سکے۔ انسان غلطی یہ کرتا ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر معاملے میں معیاری صورتِ حال کو پانا چاہتا ہے حالانکہ اُس کے لیے بہتر طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ اپنی فطرت کی اس پکار کا رُخ آخرت کی طرف موڑ دیتا اور دنیا میں اُس سے کم تر درجے پر رہنے کے لیے خود کو راضی کر لیتا لیکن وہ آخرت کو فراموش کر کے اسی دنیا میں ہر معاملے میں تسکین اور لذت کا اعلیٰ ترین درجہ پانا چاہتا ہے جو کہ ممکن نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک طرف تو اُس کی معیار پسندی خود اُس کے لیے قدم قدم پر ذہنی اُلجھنوں، پریشانیوں اور احساسِ محرومی کو پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور دوسری طرف اردگرد رہنے والے لوگوں کے ساتھ گلوں، شکووں، شکایتوں اور لڑائی جھگڑوں کو جنم دے کر تعلقات میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔

لہٰذا زندگی کو پرسکون بنانے کے لیے بہت ضروری ہے کہ انسان طلب کی سطح پر بے شک معیار پسند بنا رہے لیکن عملی طور پر جو کچھ ممکن اور میسر ہو، اُس پر اپنے آپ کو راضی کرنے والا بن جائے۔ جو کچھ میسر ہو اُس پر راضی رہنا اپنے رب کو راضی کرنے کا آسان طریقہ ہے:

من رضی بالقلیل من الرزق رضی اللہ تعالی منہ بالقلیل من العمل. (کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، فضیلۃ الصبر، رقم: 6508، 111/3)

’’جو شخص اللہ کی طرف سے ملنے والے تھوڑے رزق پر راضی ہوگیا، اللہ اُس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو گیا‘‘۔

۲۔اختیاری اور غیر اختیاری معاملات میں فرق

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مخصوص اور منفرد نعمتیں و صلاحتیں عطا فرمائی ہیں نیز اُسے ایک خاص دائرہ اثر عطا فرمایا ہے جس میں وہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اشیاء اور معاملات میں تصرف کر سکتا ہے اور حسبِ منشا اُن میں تبدیلی کر سکتا ہے لیکن بہت ساری حقیقتیں اور معاملات ایسے ہیں جن کو تبدیل کرنے کا کوئی اختیار اُس کے پاس نہیں ہے۔ ان میں انسان کا رنگ، شکل، قد، نسل، قبیلہ، خاندان، اُس کے دل میں آنے والے غیر ارادی وساوس و خیالات نیز اردگرد کے ماحول میں بے شمار چیزیں اور واقعات شامل ہیں، جہاں انسان مکمل طور پر بے بس اور مجبور ہے۔ وہ خواہش اور کوشش کے باوجود اُن کو حسبِ منشاء تبدیل نہیں کر سکتا۔ ایسی تمام چیزیں جو انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں، اُن کا اللہ نے انسان کو مکلّف بھی نہیں بنایا۔ اس کی بجائے انسان صرف ان ہی معاملات کے متعلق جواب دہ ہے جو اُس کے دائرہ تصرف میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ، 286:2)

’’اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا‘‘۔

اب انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ غیر اختیاری اُمور کے پیچھے پڑنے کے بجائے صبر کا دامن تھامتے ہوئے اُن

کاموں پر اپنی توجہ مرکوز کرے جن کو وہ تبدیل کر سکتا ہے اور جن کے حوالے سے وہ جواب دہ ہے۔ لیکن انسان غلطی یہ کرتا ہے کہ اختیاری اور غیر اختیاری اُمور میں فرق نہیں کر پاتا اور غیر اختیاری اُمور کے متعلق سوچ سوچ کر جلنا اور کُڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ نیز اُن کو تبدیل کرنے کے متعلق سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان معاملات میں تو وہ سوائے اپنے خون کو جلانے کے اور کچھ نہیں کر پاتا لیکن جن معاملات میں وہ بہتری لا سکتا ہے، اُس طرف اُس کا دھیان ہی نہیں جاتا اور اس طرح قیمتی اور انمول زندگی برباد ہو جاتی ہے اور انسان کچھ بھی نہیں کر پاتا۔ ہر دور میں بہت سارے لوگوں کا بہت سارا وقت انہی غیر اختیاری اُمور کو سوچتے رہنے میں ضائع ہوتا رہتا ہے۔

۳۔ مقصد اور ذرائع میں فرق

ایک انسان جب کسی معاملے میں بھاگ دوڑ کرتا ہے، توانائیاں اور وسائل صرف کرتا ہے تو اُس کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے، جسے وہ پانا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بہت سارے وسائل اور ذرائع ہوتے ہیں جنہیں وہ حصولِ مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ گویا مقصد کی حیثیت منزل کی ہوتی ہے جب کہ وسائل اور ذرائع کی حیثیت زادِ راہ کی۔ اصل مقصد تو منزل پر پہنچنا ہی ہوتا ہے لیکن اس کے لیے زادِ راہ کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر معاملے میں اصل نشانہ تو مقصد کا حصول ہی ہوتا ہے لیکن ذرائع کو استعمال کیے بغیر مقصد کو پانا ممکن نہیں ہوتا۔

زندگی کا حُسن یہ ہے کہ مقصد اور ذرائع دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا جائے۔ نہ تو اُن میں سے کسی کی اہمیت کو بلاوجہ گھٹایا جائے اور نہ ہی خوانخواہ بڑھایا جائے۔ یہ دونوں صورتیں ظلم کی ہیں۔ انسان بالعموم دونوں کے درمیان فرق کو ملحوظِ خاطر رکھ نہیں پاتا اور گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ عام طور پر ذرائع پر ہی فوکس کر لیتا ہے اور انہی کے حصول اور استعمال کو مقصد سمجھ لیتا ہے جب کہ حقیقی مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں زندگی بھول بھلیوں کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اسلام ایک بندہ مومن کو بتاتا ہے کہ اُس کا اصل مقصود آخرت کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کو حاصل کرنا ہے۔ دنیا کے تمام وسائل اور ذرائع اُس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں کہ انہیں اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال میں لا کر دنیا میں اللہ کی رضا اور آخرت میں اُس کی جنت کو حاصل کیا جائے لیکن لوگوں کی اکثریت آخرت کو بھول کر دنیا میں اتنا غرق ہو چکی ہے کہ زندگی کا اول و آخر مقصد ہی دنیوی منافع کو حاصل کرنا بن چکا ہے۔

۴۔ مسائل اور مواقع میں فرق

بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی کے ہر مرحلے میں مسائل اور مواقع دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ان کے تناسب میں کمی بیشی ہوسکتی ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ زندگی کی کسی بھی سٹیج پر ان میں سے کوئی ایک چیز بالکل ختم ہوجائے۔

کامیاب زندگی کا راز یہ ہے کہ مسائل کو حکیمانہ انداز میں حل کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ حتی الوسع اُنہیں نظر انداز کرتے ہوئے دھیان مواقع سے استفادہ پر مرکوز کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مواقع کو استعمال کرتے ہوئے جوں جوں انسان تعمیر و ترقی کے شاہراہ پر آگے بڑھتا جائے گا، اُسی تناسب سے مسائل کا سائز خود بخود سکڑتا چلا جائے گا۔ یہی قانونِ قدرت ہے لیکن اس کے برعکس انسان بالعموم یہ کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ مسائل کی طرف مرکوز کرتے ہوئے اُن کے متعلق رونا دھونا شروع کر دیتا ہے، ہر وقت اُنہی کے متعلق سوچ بچار کرتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں زندگی کو بنانے، سنوارنے اور نکھارنے کے لیے ملنے والے قیمتی مواقع ضائع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجتاً انسان سکڑتا چلا جاتا ہے اور مسائل کا حجم بڑا ہوتا چلا جاتا ہے۔

لہٰذا زندگی کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے کے لیے مسائل اور مواقع کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھنا اور حتی الوسع مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے مواقع کو استعمال کرنے کے لیے کوشاں رہنا بہت ضروری ہے۔

۵۔ دونیکیوں کے درمیان فرق

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اُس میں نیکی اور بدی کا شعور رکھ دیا ہے ۔ چنانچہ نیکی اور بدی کے درمیان فرق تھوڑے سے غور و تامل سے سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن زندگی میں کئی ایسے مواقع بھی آتے ہیں جہاں ہمیں دو نیکیوں کے درمیان ہی انتخاب کرنا ہوتا ہے ۔ یعنی انسان کے پاس دو راستے ہوتے ہیں، اُن میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ہوتا ہے اور دوسرے راستے کو چھوڑ نا ہوتا ہے لیکن صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ دونوں طرف نیکی ہی ہوتی ہے۔ گویا یہاں معاملہ نیکی اور بدی کے درمیان نہیں بلکہ نیکی اور نیکی کے درمیان ہی ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں انسان کی بہترین عقلمندی یہ ہے کہ وہ دونوں نیکیوں کا موازنہ کرے اور پھر بڑی نیکی کو لے لے اور چھوٹی کو چھوڑ دے۔ ایسا کرنے کی صورت میں اُس کی شخصیت زیادی تیز رفتاری سے ارتقاء کی سمت بڑھتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس طرزِ عمل اپنانے کی صورت میں شخصیت کے ارتقاء کی رفتا رسست پڑ جاتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص کا ذوق کسی وقت نفل پڑھنے کا ہے جب کہ عین اُسی وقت کسی ضرورت مند کو واقعی اُس کی مدد کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں تعلیماتِ اسلامی کی روح یہ ہے کہ نوافل سے بڑی نیکی اُس ضرورت مند کی مدد کرنا ہے۔ دو نیکیوں کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے گہرے غور وفکر اور قلبی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز اس فرق کو وہی شخص ملحوظِ خاطر رکھ سکتا ہے جس نے دو نیکیوں کے درمیان فرق کرنے والے نکتے کو ذہن نشین کر لیا ہوگا۔

٦۔ دو برائیوں کے درمیان فرق

جس طرح بعض اوقات دو نیکیوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے، ایسے ہی زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں، جب ہمارے سامنے دو برائیاں موجود ہوتی ہیں۔ دونوں سے بیک وقت بچنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہوتا ۔ لہٰذا اُن میں سے کسی ایک کا سامنا کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کا مزاج یہ ہے اور انسانی عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ بڑی بُرائی سے بچنے کی خاطر چھوٹی بُرائی کو گوارا کر لیا جائے ۔ اس کو ایک مادی مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات جسم کا کوئی ایک عضو اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ جسم کے ساتھ رہنے کی صورت میں پورے جسم کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے، لہٰذا بڑے نقصان سے بچنے کی خاطر ڈاکٹر اُس عضو کا آپریشن کر کے اُسے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ گویا پورے جسم کے نقصان سے بچنے کی خاطر ایک عضو کا نقصان گوارا کر لیا جاتا ہے۔ یہی صورت حال بعض اوقات انسانی زندگی میں دو برائیوں کی صورت میں نمودار ہوتی ہے تو وہاں بھی اسی فلسفے کو اپناتے ہوئے توبہ و استغفار کرتے ہوئے وقتی طور چھوٹی بُرائی کو گوارا کر لیا جاتا ہے لیکن اس فارمولے کو استعمال کرنے کے لیے انسان کے پاس گہری نظر کا ہونا ضروری ہے۔

۷۔ حقائق اور اطلاعات میں فرق

انسان کے اس دنیا میں آنے کے ساتھ ہی اُسے مختلف ذرائع سے کسی نہ کسی چیز کا علم ہوتا رہتا ہے۔ انسان اپنی کم عقلی کے باعث اس کے درست یا غلط ہونے کا ادراک نہیں کرسکتا۔ گھر، ماحول اور مدرسہ سے ملنے والی تعلیمات کے نتیجے میں کئی قسم کے غلط عقائد اور فاسد نظریات بھی اُس کے ذہن میں داخل ہوتے رہتے ہیں اور بالغ ہونے تک وہ اُن کو من وعن صحیح اور درست تسلیم کر چکا ہوتا ہے۔ آئندہ کی زندگی میں کئی اہم فیصلے اُن کے زیرِ اثر کرتے ہوئے وہ غلط طرزِ عمل کا شکار ہو جاتا ہے لیکن اُسے اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔ نتیجتاً زندگی کئی قسم کی خامیوں، لغزشوں، گمراہیوں اور حدبندیوں کا شکار ہو کر اپنے حقیقی کمال کو پانے سے محروم رہ جاتی ہے۔ مختلف مذاہب اور مسالک کے ماننے والوں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کا بڑے ہو کر آبائی مذاہب یا مسالک پر کاربند رہنا اسی اُصول کی ایک واضح مثال ہے۔

حقائق اور اطلاعات میں فرق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ بات جو ہمارے کانوں میں پڑے یا علم میں آئے وہ ایک اطلاع تو ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ حقیقت بھی ہو اور لازماً صحیح ہو، وہ غلط اور خلافِ حقیقت بھی ہوسکتی ہے ۔ لہٰذا آدمی کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ حقائق اور اطلاعات میں فرق

کرنا سیکھے۔ ہر بات کو سوچ سمجھ کر اور حقائق کی کسوٹی پر پرکھ کر جب اُس کا مطابقِ حقیقت ہونا جان لے پھر ہی اُسے قبول کرے ورنہ رد کردے۔ قرآنِ مجید اس کی تصدیق یوں کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا.

’’اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو‘‘۔ (الحجرات 6:49)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ کسی معاملے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اُس کی اچھی طرح چھان بین کرلیں کہ اُس میں حقیقت کیا ہے اور فسانہ کیا ہے؟ پھر جب شرحِ صدر سے کسی نتیجے پر پہنچیں تو پھر عملی قدم اُٹھانا چاہیے۔ اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.

(مسلم، الصحیح، رقم:5، 1/10)

’’کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر اُس بات کو (بلا تحقیق) بیان کردے جو وہ سنے‘‘۔

گویا یہاں مومنوں سے کہا جارہا ہے کہ وہ کسی بھی سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے نہ مانیں، بلکہ مختلف ذرائع سے تصدیق کرنے کے بعد جب کسی بات کا مبنی برحق ہونا یقینی ہوجائے تو پھر ہی اُسے تسلیم کریں اور آگے کسی سے بیان کریں۔

۸۔ ضروری اور غیر ضروری حقائق میں فرق

حقائق اور اطلاعات میں فرق کے بعد ضروری اور غیر ضروری حقائق میں فرق کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتیں اگرچہ اپنی ذات میں کائناتی اور آفاقی ہوتی ہیں جن کو قبول کرنا ہر کسی کے لیے لازم ہوتا ہے لیکن ہر حقیقت پر ہر شخص کے لیے ہر قسم کے حالات میں یکساں طور پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز حقیقت ہونے کے باوجود ایک شخص کے حسبِ حال نہیں ہوتی لہٰذا اُس پر مِن وعَن عمل کرنا اُس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اسی کو یہاں غیر ضروری یا غیر متعلق حقائق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کسی معاملے میں درست فکر تک پہنچنے کے لیے اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے کی جاتی ہے:

مکی دور میں مسلمان تیرہ سال تک کفار کے ظلم وستم برداشت کرتے رہے لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے اِس صورتِ حال کے ازالے کے لیے جہاد کا حکم فرض نہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ مسلمان تعداد میں اتنے کم تھے کہ اُن کے لیے کفارِ مکہ سے ٹکرانا ممکن ہی نہ تھا اور اللہ رب العزت کا اُصول یہ ہے کہ وہ کسی بھی وجود پر اُس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ چنانچہ اگر اُس دور میں جہاد فرض کردیا جاتا تو کافروں سے ٹکرانے کی صورت میں زیادہ نقصان خود مسلمانوں کا ہی ہوتا۔ لہٰذا خاموشی کے ساتھ تمام ایذا رسانیوں کو برداشت کیا گیا لیکن مدنی دور میں جب مسلمان اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں آگئے تو جہاد کی آیات نازل ہونا شروع ہوگئیں۔

اسی طرح کسی ایک چیز کے حقیقت ہونے کے باوجود ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر شخص پر یکساں انداز میں لاگو (Apply) ہو۔ کسی فرد کے شخصی احوال یا مخصوص حالات کی بنا پر اُس کے لیے حکم مختلف ہوسکتا ہے اور اس کی مثالیں ہمیں جا بجا شرعی احکام میں دکھائی دیتی ہیں۔ لہٰذا فکری گمراہیوں سے بچنے کے لیے جہاں ہمارے لیے حقائق اور اطلاعات میں فرق کرنا ضروری ہے، وہاں ضروری اور غیر ضروری حقائق میں بھی فرق کرنا اشد ضروری ہے۔

۹۔ بالواسطہ فائدہ

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ یہاں پر کام یا ہر معاملے کی کئی جہتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی کام جو انسان کرتا ہے اُس کا ایک تو وہ فائدہ حاصل ہوتا ہے جسے ذہن میں رکھ کر وہ کام کیا جاتا ہے، تاہم اُس کے علاوہ بھی کئی ضمنی فوائد ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک شخص کسی دفتر میں ملازمت کرتا ہے تو اُس کا ایک تو براہِ راست فائدہ ہوتا ہے جو اُسے ماہانہ تنخواہ کی صورت میں ملتا ہے، اسی کو سامنے رکھ کر وہ ملازمت کرتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اُسے بعض ضمنی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً: تجربہ حاصل ہونا، اردگرد کے لوگوں

میں ایک مقام و مرتبہ حاصل ہونا وغیرہ۔ اسی طرح ایک فیکٹری کا مالک کسی مخصوص پیدا وار کے حصول کے لیے فیکٹری لگا تا ہے تو اُس پیدا وار کی تیاری کے دوران بعض ضمنی چیزیں (By Products) بھی حاصل ہوتی ہیں۔ یہی ضمنی فوائد جو کسی مخصوص عمل کے دوران حاصل ہوتے ہیں اُنہی کو یہاں بالواسطہ فائدہ کا نام دیا جا رہا ہے۔

سمجھنے والی بات یہ ہے کہ کسی عمل کے نتیجے میں حاصل ہونے والا بالواسطہ فائدہ کسی طرح بھی براہِ راست ملنے والے فائدے سے کم اہم نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو اُس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

عقلمندی اسی کا نام ہے کہ انسان کسی عمل سے حاصل ہونیوالے براہِ راست فوائد کے ساتھ اُس سے ملنے والے ضمنی فوائد یا بالواسطہ فوائد سے بھی آ گا ہ ہو۔ صرف اسی صورت میں وہ کسی کام کو شوق اور دلجمعی سے کر سکتا ہے اور اُس میں استقلال کو برقرا رکھ سکتا ہے۔ جس شخص کی نظر صرف براہِ راست ملنے والے فائدہ کو ہی دیکھ رہی ہوگی، وہ اُس میں گہری دلچسپی نہیں لے سکے گا اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ کسی بھی وقت بددل ہو کر اُسے چھوڑ دے۔

۱۰۔ تیسرا حل (Third Solution)

کسی بھی معاملے پر غور کرتے ہوئے ہمیں بالعموم اُس کے دو حل دکھائی دے رہے ہوتے ہیں جو سامنے موجود ہوتے ہیں یعنی یا ایسے ہوسکتا ہے یا ویسے۔ سوچ کے اس انداز کو ثنائی طرزِ فکر کہتے ہیں، جس میں چیزوں کو سیاہ اور سفید (Black&White) کے دو خانوں میں تقسیم کر کے دیکھا جا رہا ہوتا ہے۔ اس میں ہماری سوچ کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے جو اُس مسئلہ کے صرف دو ممکنہ حلوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور اُس سے آگے ہماری نگاہ نہیں جا رہی ہوتی۔ جب کہ وہ دونوں حل اتنے معیاری نہیں ہوتے۔ دونوں میں کچھ فوائد اور کچھ نقصانات دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔ بالآخر ہم بادل نخواستہ اُن میں سے ہی کسی ایک کو منتخب (Choose) کر لیتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر وہاں ایک تیسرا حل بھی موجود ہوتا ہے جو اُن دونوں سے زیادہ بہتر ہوتا ہے لیکن ہم اپنی محدود اور دو رُخی سوچ کی بنا پر اُسے دیکھ نہیں پاتے۔ علم نفسیات یا مائنڈ سائنس میں اس تیسرے حل کو برتر حل (Superior Solution) کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ یہ اُن دونوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور قابلِ قبول ہوتا ہے۔

عام طور پر ہم مسائل پر غور کرتے ہوئے اس نکتے کو شعوری طور پر ذہن میں رکھ کر سوچ بچار نہیں کرتے، ورنہ بیشتر معاملات میں یہ تیسرا حل آس پاس ہی موجود ہوتا ہے جسے ہم کوتاہ نظری اور محدود سوچ کی بنا پر دریافت نہیں کر پاتے۔

تاریخ کی بڑی بڑی کامیابیاں اُن لوگوں نے حاصل کی ہیں جو سوچ بچار کے دوران اس تیسرے حل کی آپشن (Option) کو پوری طرح ذہن میں رکھتے ہیں اور یوں عام لوگوں کی نسبت اپنے مسائل اور معاملات کو زیادہ بہتر انداز میں حل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

ماہنامہ منہاج القرآن میں شائع ہونے والے سلسلہ وار مضامین کا مجموعہ

کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے

کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات (اسلام اور علم نفسیات کی روشنی میں)

رفقاء، کارکنان اور تنظیمات کی علمی، فکری اور عملی تربیت میں معاون

مصنف
شفاقت علی شیخ

صفحات: 360
قیمت: 600 روپے

مرکزی سیل سینٹر منہاج القرآن پر رعایتی قیمت پر دستیاب ہے۔

برائے رابطہ: 042-111-140-140 (Ext: 131) ,0321-4609800, 0333-4005229

کورونا وائرس ختم نہیں ہوا، احتیاط لازم ہے

بے احتیاطی صحتِ عامہ اور انسانی زندگیوں کے لئے خطرناک ہے

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے وباؤں سے بچاؤ کے لئے احتیاط برتیں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا کووڈ 19 سے بچاؤ کے ضمن میں اہم خطاب

خصوصی مضمون

کورونا وائرس کے اثرات اور اس کا پھیلاؤ بدستور قائم ہے۔ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں کسی وباء سے نبرد آزما ہونے کیلئے اس نوع کے غیر معمولی ہنگامی اقدامات بروئے کار لانے کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ یورپ کے بعض ممالک شروع میں مکمل لاک ڈاؤن کی زد میں آئے اور آج تک کہیں مکمل اور کہیں سمارٹ لاک ڈاؤن کی کیفیت ہے۔ دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بھی نظامِ زندگی مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان میں بھی کورونا وائرس کی روک تھام کے لیے غیر معمولی اقدامات اٹھائے گئے۔ حکومت نے کورونا کے آغاز پر بھی اور اب اس دوسری لہر کے آنے پر ایک بار پھر سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کو بند کردیا ہے۔ اسی طرح شادی ہالز اور سیاسی، سماجی تقریبات کو بھی محدود کر دیا گیا ہے۔

کورونا وائرس کی ابتداء سے لے کر آج تک ملکِ پاکستان میں عوام و خواص کی ایک بہت بڑی تعداد نے اس وائرس کے حوالے سے نہ صرف بے احتیاطی سے کام لیا بلکہ اس وائرس سے حفاظت کے لیے بروئے کار لائے جانے والے حکومتی اقدامات اور ڈاکٹرز حضرات کی ہدایات کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔

کورونا وائرس کے آغاز میں جب اکثر پڑھے لکھے حلقوں بشمول مذہبی رہنماؤں و علماء کی جانب سے اس وباء کو خاطر میں نہ لایا جارہا تھا تو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کورونا وائرس سے بچاؤ اور نبوی طریقہ کار، احکامات اور اقدامات پر روشنی ڈال کر نہ صرف اسلامیانِ پاکستان بلکہ ملتِ اسلامیہ اور پوری انسانیت کی رہنمائی کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس اہم موقع پر بلاتاخیر اپنا علمی اور فکری کردار ادا کرتے ہوئے اردو اور انگریزی میں کورونا وائرس سے بچاؤ کے لیے انتہائی مفید معلومات مہیا کیں جنہیں نہ صرف سوشل میڈیا کے ناظرین نے بے حد سراہا اور بروقت اور درست معلومات کی فراہمی پر اظہار تشکر کیا بلکہ ہمسایہ ملک کے الیکٹرانک میڈیا نے بھی اپنے ملک کی عوام کو اسلامی نقطۂ نظر سے آگاہ کرنے کے لیے شیخ الاسلام کے اِن خطابات کے کلپس کو اپنے TV پروگرامز میں نشر کیا۔

خطابات: ”کورونا وائرس اور نبویؐ اقدامات و احکامات“

ہمیشہ اَہلِ علم کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہر شے کو مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے عواقب و مضمرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنا لائحہ عمل ترتیب دیتے اور دوسروں کو بھی راہ نُمائی فراہم کرتے ہیں۔ اِس آفت کے نزول کے وقت بھی ایسا ہوا کہ مجددِ رواں صدی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے ملک و قوم اور اِنسانیت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اِس وبا سے نبٹنے کے مفید اُصول فراہم کیے، جن کی تائید آج کی میڈیکل سائنس بھی کرتی ہے۔

جو احباب اپنی کم علمی کی وجہ سے کورونا وائرس سے حفاظتی اقدامات اور مذہبی تعلیمات کو خلط ملط کرتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ سماجی تعلقات، باہمی میل جول، مصافحہ، معانقہ ترک کر دینا کہاں کی حکمت عملی اور احتیاطی تدابیر ہیں؟ شیخ

الاسلام نے اس سوچ کی اصلاح کی اور ان کی فکری رہنمائی کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے نہ صرف صحت کے بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں کی طرف سے جاری کی جانے والی ہدایات پر عملدرآمد کرنے کی تنبیہہ کی بلکہ وباء کے پھوٹنے پر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کو سنتِ نبوی قرار دیا۔

شیخ الاسلام نے اِبتداءً ''کورونا وائرس اور نبوی اِقدامات و اَحکامات'' کے موضوع پر اُردو اور انگریزی میں دو لیکچرز دیے کہ جن میں واضح طور پر قرآن و حدیث سے اَخذ فیض کرتے ہوئے راہ نُمائی فراہم کی کہ اس وبا سے نجات کا واحد حل social distancing ہے؛ یعنی اِحتیاط، اِحتیاط اور صرف اِحتیاط۔ پھر آپ نے کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کے موضوع پر بھی گفت گو فرمائی اور اِنتہائی مفید اور قابلِ عمل تجاویز و ہدایات سے نوازا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے یہ خطابات آج بھی انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے عوام و خواص کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ (www.minhaj.org)

☆ اسی طرح جب کورونا وائرس کے دوران اجتماعی عبادات کی بجا آوری کے مسائل پیدا ہوئے تو شیخ الاسلام نے ''دورانِ وبا باجماعت نماز اور جمعہ کی ادائیگی'' کے اَحکامات پر قرآن و حدیث اور کبار ائمہ کے اَقوال کی روشنی میں لیکچرز دیے اور بڑی صراحت کے ساتھ بغیر کسی ifs and buts کے واضح طریقہ کار سے قوم کو آگاہ کیا۔ حالاں کہ اُس وقت دیگر علماء کرام اِس حکمتِ عملی سے کلی طور پر ناآشنا تھے۔ بعد ازاں جب اُنہیں حالات کی سنگینی کا اِدراک ہوا تو انہوں نے بھی وہی مؤقف اپنا لیا جو شیخ الاسلام روزِ اوّل سے دنیا کو بتا رہے تھے۔

ایامِ خلوت اور ہماری زندگی: سلسلۂ خطابات

لاک ڈاؤن کی پیش آمدہ اس situation میں فرد کے مسائل اور اُن کے حل کے تناظر میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ''اَیامِ خلوت اور ہماری زندگی'' کے موضوع پر 17 لیکچرز دیے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ کورونا وائرس سے چونکہ ہماری سوشل زندگی بری طرح متاثر ہے اور ہر ایک کے پاس فارغ وقت کی فراوانی ہے تو اس وقت کا بہترین مصرف کیا ہو؟ نیز اِن حالات میں ہم نے اپنے ذاتی کردار و احوال کو کس طرح سنوارنا ہے؟ اس سیریز کے اِبتدائی چند لیکچرز تمہیدی گفت گو پر مشتمل تھے جب کہ چار لیکچرز ''وقت: اَہمیت اور قدر و قیمت'' کے موضوع پر ہوئے۔ دو لیکچرز میں آپ کا موضوع اِنفاق فی سبیل اللہ تھا۔

اِس سیریز کا اصل crux اور climax اُن لیکچرز میں سامنے آتا ہے جن میں آپ نے Anger Management کے موضوع پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔ ذیل میں ان موضوعات کا اِجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

1۔ غصہ کیا ہے؟ 2۔ غصہ: اَسباب اور علاج

3۔ غصہ ضبط کرنے کے فوائد

4۔ غصہ ضبط کرنے کے طریقے (اَحادیثِ نبوی کی روشنی میں)

5۔ غصہ اور بدگمانی 6۔ غصہ کے نقصانات

اِن لیکچرز کے موضوعات کا تعلق ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کی اِصلاح سے ہے۔

سالانہ اعتکاف کے پروگرام کی منسوخی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کورونا وائرس کے پھیلاؤ اور حکومتی ہدایات آنے سے بہت پہلے اپنے کارکنان اورذمہ داران کے ذریعے پوری ملتِ اسلامیہ اور انسانیت کی نہ صرف علمی رہنمائی کی بلکہ عملی اقدامات کرتے ہوئے تحریک منہاج القرآن کے سالانہ تربیتی اور اصلاحی پروگرامز تک مؤخر کر دیئے حالانکہ ان پروگرامز کی تیاری مہینوں پہلے کی گئی تھی اور ان پروگرامز کی تیاری اور انعقاد پر کثیر رقم بھی خرچ ہو چکی تھی لیکن انہوں نے انسانیت کے تحفظ اور بقاء کیلئے کسی قسم کی جذباتیت کو آڑے نہ آنے دیا اور دو ٹوک رہنمائی کرتے ہوئے حفاظتی اقدامات بروئے کار لانے کی ہدایت کی۔

حلقات التربية کا انعقاد

گزشتہ سال چونکہ کورونا وائرس کی شدت کے دوران ہی رمضان المبارک کے مہینہ کا بھی آغاز ہوگیا تو شیخ الاسلام نے اس موقع پر عامۃ الناس کی اِصلاحِ اَحوال اور آدابِ زندگی کی تعلیم کے لیے ''صحیح البخاری'' اور ''اِحیاء علومِ الدین'' سے حلقات التربية کا آغاز کیا۔ بنیادی طور پر حلقات التربیہ میں ہونے

والے دروس اور اسباق "صحیح البخاری" سے ہیں اور پھر ان منتخبہ موضوعات کی توضیح و تشریح کے لیے امام غزالی کی کتاب "اِحیاء علومِ الدین" کو بطور درس شامل کیا گیا۔ اِن حلقات التربیۃ کا موضوع اخلاقی و روحانی تربیت اور اِصلاحِ اَحوال ہے۔

کورونا وائرس سے حفاظت کے لیے ہدایات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کورونا وائرس کی روک تھام اور اس کے دیگر اثرات سے حفاظت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ

"تنہا حکومت کووڈ 19 کی وباء کے مضمرات کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس کے لیے عوامی طبقات کو اپنے معاملات اور مشاغل کو محدود کرنا ہوگا۔ کورونا وائرس کا کوئی پہلا اور دوسرا فیز نہیں تھا، یہ وباء اول روز سے بدستور قائم ہے۔ جن ممالک نے ایس او پیز کو نظر انداز کیا، وہاں زیادہ نقصان ہوا۔ پاکستان میں بھی بے احتیاطی کی وجہ سے جانی نقصانات میں دن بدن شدت آ رہی ہے۔ کورونا وائرس کی وباء کو سیاسی بیان بازی، کریڈٹ اور ڈس کریڈٹ سے الگ تھلگ رکھنا ہوگا۔ کووڈ 19 کی ویکسین مارکیٹ میں آنے تک یہ وباء ختم نہیں ہوگی۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وباء ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ قائم رہ سکتی ہے۔

امیر اور ترقی یافتہ ممالک ایس او پیز میں نرمی کر کے جو نقصان اٹھاتے ہیں، اپنی مستحکم مالی پوزیشن کے باعث اس نقصان کا ازالہ بھی کر لیتے ہیں لیکن پاکستان اپنی کمزور معیشت کے باعث براہِ راست عامۃ الناس کو بڑے پیمانے پر مالی امداد مہیا نہیں کر سکتا، اس لئے احتیاط ضروری ہے۔ کووڈ 19 کی وباء کے باعث نفسیاتی اور اقتصادی مسائل بھی جنم لے رہے ہیں، انہیں بھی ایڈریس کرنے کی ضرورت ہے۔

عالمی صورتحال اور عالمی ماہرین کی آراء کی روشنی میں ہم نے تحریک منہاج القرآن اور اس کے ذیلی اداروں کے ذمہ داران کو ہمیشہ سختی سے ہدایات دیں کہ کسی بھی سٹیج پر ایس او پیز کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ منہاج القرآن اور اس کے ذیلی انسٹی ٹیوشنز میں ماسک اور دیگر حفاظتی اقدامات کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تمام رفقاء و کارکنان جہاں کہیں بھی ہیں، ایس او پیز پر عملدرآمد کو بہرصورت یقینی بنائیں۔

ایسی عالمگیر وباؤں کے موقع پر کچھ کام اور اقدامات حکومتوں کے کرنے کے ہوتے ہیں اور کچھ کام Social Responsibilite (معاشرتی ذمہ داری) کے تحت عامۃ الناس کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کے ہر فرد اور خاندان پر لازم ہے کہ ایسی آفات کے آنے پر وہ اپنا ذمہ دارانہ سماجی کردار ادا کریں۔ کورونا وائرس ایک خطرناک وبا ہے، یہ کوئی روایتی وبا نہیں ہے کہ روایتی طور طریقے اختیار کر کے اسکا مقابلہ کیا جا سکے۔

اس ضمن میں درج ذیل حفاظتی اقدامات کو ہر شخص بہر طور اختیار کرے:

۱۔ کرونا وائرس سے بچنے کیلئے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ صابن سے ہاتھوں کو اچھی طرح دھوتا رہے۔ یہ پہلا حفاظتی قدم ہے۔ ایک وقت میں کم از کم 20 سیکنڈ تک ہاتھوں کو دھوئیں۔ اس آفت سے خود کو اور دوسروں کو محفوظ بنانے کی یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

۲۔ کھانسی اور چھینک کی صورت میں ٹشو پیپر، رومال یا کوئی کپڑا منہ پر رکھیں تاکہ جراثیم ہوا میں نہ جائیں۔

۳۔ اگر ہاتھ دھلے ہوئے نہیں ہیں تو اپنے ہاتھوں کو منہ، ناک، آنکھ اور چہرے کو نہ لگائیں۔ کرونا وائرس منہ، ناک اور آنکھ کے راستے سے جسم میں داخل ہوتا ہے۔

۴۔ اگر نزلہ فلو، بخار ہے تو کسی دوسرے کو ٹچ نہ کریں، گھر میں رہیں، اس دوران مصافحہ بھی نہ کریں، کسی کو گلے بھی نہ ملیں۔

۵۔ سیاسی، سماجی، مذہبی اور سوشل میٹنگز اور اجتماعات میں جانے سے پرہیز کریں۔

۶۔ کورونا وائرس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ لکڑی پر بھی منتقل ہو جائے تو ایک مخصوص مدت تک کسی دوسرے نفس میں منتقل ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔ کرونا وائرس لکڑی، کرسی ٹیبل اور زیر استعمال رہنے والی اشیاء کے ذریعے دوسروں تک منتقل ہوسکتا ہے۔ یہ وائرس نہ صرف بلاواسطہ منتقل ہونے کی طاقت رکھتا ہے بلکہ بلواسطہ بھی منتقل ہوسکتا ہے۔ جس جگہ بھی آپ بیٹھیں، اسے اچھی طرح صاف کریں اور اپنے زیر استعمال اشیاء کی صفائی کا بھی پوری طرح خیال رکھیں۔ سب سے اہم چیز ہاتھوں کی صفائی ہے۔

۷۔ کل وقتی طور پر ماسک اور سینی ٹائزر کا استعمال کریں۔

☆ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ ان تدابیر کو اختیار کرے۔ میں تمام تنظیمی، تحریکی ذمہ داران اور کارکنان کو سختی سے یہ ہدایت کررہا ہوں کہ وہ اپنی سماجی، قومی، ملی، جماعتی، تحریکی، معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے مذکورہ بالا حفاظتی تدابیر اختیار کرے اور اس ضمن میں کسی قسم کی غفلت کے مرتکب نہ ہوں۔ ہر شخص نہ صرف خود ان ہدایات پر عمل کرے بلکہ اپنے اہلخانہ، عزیز و اقارب اور دوست احباب تک بھی یہ پیغام قومی، ملی، دینی فریضہ سمجھ کر پہنچائے۔ سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیز، نجی محفلوں میں ہر جگہ ان ہدایات پر عمل ہونا چاہیے۔

☆ دنیا بھر کے کارکنان، تنظیمات اور ذمہ داران کو میری یہ ہدایت ہے کہ کرونا وائرس سے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کے ضمن میں حکومتوں اور ان کے متعلقہ اداروں کی طرف سے جو ہدایات ملیں، ملک، معاشرے اور انسانیت کی حفاظت اور بقاء کے جذبہ کے ساتھ ان پر عمل کریں اور حکومتی مہمات کے ساتھ تعاون کریں، اس سے وباء کو روکنے میں مدد ملے گی۔اس حوالے سے ماڈرن سائنس سے آگاہی مل رہی ہے، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشنز کی طرف سے بھی تلقین کی جارہی ہے اورڈاکٹرز بھی اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

احتیاط کو نظر انداز کرنا اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنا علمی، فکری اور اخلاقی کردار ادا کرتے ہوئے مذکورہ ہدایات پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ

''ان ہدایات کو نظر انداز ہرگز نہ کریں اور خوفزدہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ احتیاط اور تدبیر کو نظر انداز کرنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند نہیں ہے۔ تدبیر اور احتیاط کو نظر انداز کرنے کا نام توکل نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تعلق تقدیر سے ہے۔ تقدیر اور تدبیر الگ الگ موضوعات ہیں۔ پیشگی حفاظتی اقدامات بروئے کار لانا الگ چیز ہے اور اللہ اور اس کی مشیت پر بھروسہ کرنا الگ باب اور موضوعِ بحث ہے۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے ان دونوں امور کو آپس میں خلط ملط کرتے ہیں۔ بیماریوں سے بچنے کیلئے تدابیراختیار کرنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی سے دیا ہے۔

صحیح بخاری ''باب الطب'' میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگرتم کسی ملک، کسی شہر، کسی سرزمین کے بارے میں سنو کہ وہاں طاعون کی وباء پھیل گئی ہے تو اس ملک میں، اس خطے میں، اس علاقے میں ہرگز داخل نہ ہو اور اگر کسی علاقے، شہر، ملک میں یہ وباء پھیل جائے جہاں آپ پہلے سے موجود ہوں تو پھر وہاں سے باہر نہ جاؤ۔

اس زمانے میں ٹیسٹ لیبارٹریز نہیں ہوتی تھیں کہ اس بات کا پتہ چلایا جا سکے کہ کس شخص میں وباء کے اثرات ہیں اور کس میں نہیں ہیں؟ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی ایک ایسی احتیاطی تدبیر بتا دی جس کی آج کی ماڈرن سائنس توثیق کررہی ہے کہ متاثرہ علاقہ، ملک اور معاشرہ کا سفر اور آمدو رفت کو روک دیا جائے تاکہ اس موذی وباء سے ان علاقوں، خطوں اور ملکوں کے عوام کو بچایا جا سکے۔ چونکہ طاعون ایک متعدی مرض ہے جو ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتا ہے، اسی لیے دونوں صورتوں میں انٹرایکشن سے روک دیا گیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدی امراض کے پھیلاؤ کی روک تھام کیلئے جو ہدایات اور گائیڈ لائن دی ہے، ان کی روشنی میں کورونا وباء سے نبرد آزما ہونے کے لیے ان ہدایات پر سختی سے عمل کرنا ہم سب پر فرض اور لازم ہے۔''

اس وباء سے نبرد آزما ہونے کے لئے ذات، جماعت، مذہب اور مسلک سے بالا ہو کر فکری اعتبار سے حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ضرورت تھی مگر بدقسمتی سے پاکستان کے اندر فکری ہم آہنگی کے فقدان کے باعث غیر ضروری تنازعات نے جنم لیا اور جو وقت اور وسائل کورونا وائرس کی وباء سے نبرد آزما ہونے کے لئے بروئے کار آنے چاہئیں تھے، وہ بے مقصد بحثوں کی نظر ہوئے۔ ان حالات میں شیخ الاسلام کا کردار تمام سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی آفات و بلّیات اور زمینی و آسمانی وباؤں سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

بلندی و کمال کا حصول کیسے ممکن ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو اللہ رب العزت نے جہاں بہت ساری خوبیوں اور اوصاف سے نوازا ہے وہاں اللہ رب العزت نے انہیں شرح صدر کی نعمت بھی عطاء کی ہے۔ تھوڑے الفاظ میں بڑی بات کرنے والے اللہ کے چنیدہ بندے ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کی تہہ تک گئے اور پڑھنے اور سننے والوں کے دل و دماغ میں گھر کرتے چلے گئے۔ شیخ الاسلام کو سننے اور پڑھنے والے اُن کی گفتگو اور تحریر کی تاثیر کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ علم و تحقیق سے وابستہ بہت کم لوگ ایسے ہیں کہ جو وہ لکھتے اور سوچتے ہیں، اسے بیان کرنے پر بھی اللہ کی طرف سے انہیں ملکہ حاصل ہو۔ ماہنامہ منہاج القرآن کے قارئین کے مطالعہ اور ذوق طبع کے لئے کلمات حکمت کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے اس میں شیخ الاسلام کے کلمات حکمت کو شامل کیا جائے گا، اس ضمن میں پہلا انتخاب پیش خدمت ہے:

انسان ساری زندگی دُنیوی اور اُخروی ترقی اور درجات کی بلندی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ ہر صاحبِ نظر شخص خواہش مند ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اسے دنیا و آخرت دونوں میں بلندی و کمال عطا فرمائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بلندی، کمال اور رفعت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ ہم میں سے اکثر لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے درجات کی بلندی کا ذریعہ 'مجالس' کو قرار دیا ہے۔ وہ کون سی مجالس اور کن لوگوں کی مجالس ہیں جو بلندیِ درجات کا باعث ہوتی ہیں؟ اس سلسلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (المجادلة، ۵۸:۱۱)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ (اپنی) مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا اور جب کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو، اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا، اور اللہ اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے''۔

اس آیت کریمہ سے درج ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ اس آیت کریمہ کے پہلے حصے میں 'المجالس' جبکہ آخری حصے میں 'العلم' کا ذکر ہے جس سے مجالسِ علم کی افادیت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو مجالس کے نشست و برخاست کے آداب سمجھانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم یہ آدابِ مجالس بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے درجات کی بلندی اور مجالس کو باہم منسلک (correlate) کیا ہے۔

۳۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مجلس میں بیٹھنے سے درجات کی بلندی تبھی نصیب ہوگی جب بیٹھنے والے کو کوئی روحانی و اُخروی نفع حاصل ہو اور اس کی خیر میں اضافہ ہو۔ بالفاظِ دیگر روحانی، اُخروی یا دینی کسی بھی اعتبار سے خیر میں اضافہ درجات کی بلندی کا باعث بنتا ہے۔ یاد رہے کہ 'خیر' میں اضافہ تبھی ہوتا ہے جب بیٹھنے والے کو مجلس سے ایمان اور علم دو چیزیں حاصل ہوں۔ گویا کسی مجلس میں حاضری سے درجات کی بلندی کا حصول 'خیر' کے میسر آنے سے مشروط ہے اور 'خیر' کا اضافہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب اس مجلس العلم سے انسان 'ایمان' اور 'علم' کے نور سے منور ہو کر نکلے۔

ہم نشین نیک، عبادت گزار، متقی، اللہ سے محبت کرنے والا، عقیدۂ صحیحہ کا حامل، صدقِ نیت اور اخلاص کا پیکر ہونا چاہیے۔

اس ضمن میں ہمارے ذہن میں بہت سے سوالات سر اٹھاتے ہیں، مثلاً وہ کون سی مجالس ہیں جو بیٹھنے والوں کے ایمان اور علم میں اضافے کا باعث بنتی ہیں؟ کیسی مجالس اور کن

اوصاف کے حامل ہم نشین کا انتخاب کرنا چاہیے؟ مجالس کے عنوان کیا ہوں؟ آیئے! اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ان فرامین سے رہنمائی لیتے ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی مجالس اور ہم نشینوں کی صفات بیان فرمائی ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ، قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ جُلَسَائِنَا خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللهَ رُؤْيَتُهُ، وَزَادَ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ وَذَكَّرَكُمْ بِالآخِرَةِ عَمَلُهُ.

حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہمارے بہترین ہم نشین کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا دیکھنا تمہیں اللہ کی یاد دلا دے، جس کا بولنا تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارک میں صالح جلیس کی صحبت کے تین ثمرات ذکر فرمائے ہیں۔ گویا ہم نشین اگر نیک، عبادت گزار، متقی، اللہ سے محبت کرنے والے، علم و عقیدۂ صحیحہ کے حامل، صدقِ نیت اور اخلاص کے پیکر ہوں تو ان کے ساتھ مل بیٹھنے سے بھی خیر نصیب ہوتی ہے، ایمان اور علم کا نور حاصل ہوتا ہے، گناہوں کی بخشش ہوتی ہے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِن جامع کلمات کے ذریعے مجالسِ علم کی برکات، صحبتِ صلحاء کے اثرات اور مجالس کے انعقاد کے مقاصد واضح فرما دیے ہیں۔

جس طرح ماحول کے اِنسانی جسم و روح پر اَثرات ہوتے ہیں اسی طرح صحبتِ صالحین اور مجالسِ علم کے قلب و روح پر اثرات ہوتے ہیں۔

صالح لوگوں کی محض زیارت انسانی جسم اور روح پر کیا اور کیسے اثرات مرتب کرتی ہے؟ اس بات کو مادی زندگی کی چند اَمثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ اگر کوئی شخص جسمانی طور پر تھکا ہارا اور طبیعت میں تلخی (depression) محسوس کرے تو ڈاکٹر اُسے سبزہ اور صاف ستھری کھلی فضاء میں کچھ لمحات گزارنے اور سیر کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اس خوش گوار فضا میں سانس لینے اور ہریالی، باغ، پھول، درخت، پانی، جھیل اور قدرتی مناظر کو دیکھنے سے اس کی طبیعت کو تازگی (freshness) ملتی ہے اور اعصابی تناؤ کم ہوتا ہے۔

۲۔ ماں باپ کو اپنی پیاری اولاد دیکھنے سے ایک فرحت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ اپنے محبوب دوست کو دیکھنے سے طبیعت میں فرحت و تازگی آتی ہے اور انسان کا باطن اس خوش گوار تبدیلی کو اس قدر محسوس کرتا ہے کہ اس کیفیت کا اظہار لکھنے، پڑھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہے۔

یہ قدرت کا نظام ہے کہ جس طرح چیزیں جسم پر اثرات مرتب کرتی ہیں، اسی طرح اشیاء اور ماحول کے اثرات قلب و روح پر بھی رونما ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالمِ مادیات میں انسان کو پانچ حواس عطا کیے ہیں۔ ان حواسِ خمسہ سے وہ دیکھتا، چھوتا، سونگھتا، چکھتا اور سنتا ہے۔ انہی پانچ حواس کے ذریعے انسانی جسم پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب من پسند کھانے کا ذائقہ چکھتے ہیں تو ایک لطف محسوس ہوتا ہے۔ کئی لوگوں کو موسیقی سے فرحت ملتی ہے۔ بعض لوگ نعت سنتے ہیں تو اس سے طبیعت میں راحت ملتی ہے۔ کچھ لوگ قوالی سنتے ہیں تو اس سماع سے ان پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ گویا ظاہری طور پر خود کوئی عمل نہیں کیا، محض ماحول سے خوشبو کا جھونکا آیا تو طبیعت تر و تازہ ہوگئی۔

اسی طرح ایک عالمِ قلب و روح بھی ہے۔ حواسِ خمسہ ظاہری کی طرح باطنی حواس یعنی روح کے احساسات بھی ہیں جن پر کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ جب کوئی خوش اِلحان قاری قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرتا ہے تو اس سے نہ صرف جسم پر اثرات وارد ہوتے ہیں بلکہ روح بھی معطر، منور اور سرشار ہو جاتی ہے اور نورِ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسی طرح وضو اور غسل بھی باطنی طہارت کا ذریعہ ہیں۔ ظاہراً ہم جسم کو دھوتے ہیں، مگر اس وضو اور طہارت کا نور اور اثرات قلب و باطن میں بھی سرایت کر جاتے ہیں۔ جس طرح ہم پھولوں کی خوش بو محسوس تو کرتے ہیں لیکن اسے بیان یا تحریر نہیں کر سکتے، اسی طرح کسی اللہ کے مقرب اور صالح بندے کو دیکھنے اور اس کی مجلس میں بیٹھنے سے اسی طرح کے خوش گوار اثرات روح پر بھی مرتب ہوتے ہیں جنہیں محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ❁❁❁❁

سوشل میڈیا کا منفی استعمال اور اسلامی اقدار کا زوال

سوشل میڈیا کے استعمال کے بارے میں آگاہی باشعور طبقات کا فرض اولین ہے

محمد اقبال چشتی☆

مرورِ زمانہ کے ساتھ جہاں انسان نے اپنی زندگی کو راحت وفرحت فراہم کرنے کے لیے اختراعات و ایجادات کا دروازہ کھولا ہے، وہیں پر انسانی زندگی برائی اور اس کے امکانات کے ساتھ بھی بری طرح دوچار ہوئی ہے۔ اَخلاق اَقدار کا انحطاط و زوال جس طرح دورِ جدید میں سوشل میڈیا کے ذریعے ہوا ہے، شاید ہی کوئی ایسا دور گزرا ہو جس میں انسانی اَقدار کو اس طرح مجروح کیا گیا ہو۔ آج کے Social Media War کے دور میں اسلام دشمن اَفکار ونظریات کے حامل لوگ نئی نسل کو سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعے اسلامی اَفکار سے دور لے جانے والا اور فحاشی اور عریانی پر مبنی مواد شیئر کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا پر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو خیر وشر پر مبنی مواد شیئر کرنے میں تمیز ہی نہیں رکھتے اور دنیا کی رعنائیوں کی چکا چوند میں یکسر اسلامی اَفکار سے صرفِ نظر کیے ہوئے ہیں۔

سوشل میڈیا پر انسانی شکلوں کی بگاڑ، مخالفین پر طعن و تشنیع، عزتِ نفس کی پامالی اور بغیر تحقیق و تنقیح کے مختلف پوسٹس کی ترسیل، نامحرموں کے ساتھ بلاضرورت گفت وشنید اور دوستی (Friendship) جیسے ایسے مسائل نے جنم لے لیا ہے کہ جس کا علاج دورِ حاضر کے باحثین ومحققین کے ہاں اگر ناممکن نہیں تو کم ازکم مشکل ضرور ہے۔ اس لیے کہ جب 60 سے 80 فیصد لوگ اسی راہ کے مسافر ہوں تو ان کے سامنے حقائق و معارف کو رکھنا جہاد سے کم نہیں۔ ہمارے ملکِ پاکستان کی آبادی کا زیادہ تر حصہ اُن نوجوانوں پر مشتمل ہے جو سوشل میڈیا کے استعمال میں اس طرح کھو چکے ہیں کہ اُن کو دنیا و جہاں کی بالکل خبر نہیں۔

دورِ حاضر کے نوجوانوں کو سوشل میڈیا کے ایجابی وسلبی (Positive & Negative) پہلوؤں سے آگہی دینا والدین اور معاشرے کے تمام باشعور طبقات پر فرض ہے۔ سوشل میڈیا کے متعلق مناسب اور بروقت تربیت نہ ہونے کے باعث آج کا نوجوان اپنے آباء واَجداد اور سماجی واَخلاقی اَقدار کو بے خبری میں روندے جارہا ہے۔ سوشل میڈیا کا استعمال آج وقت کی ضرورت اور تقاضا ہے مگر یہ سب اسلامی اَقدار اور تہذیبِ اَفکار کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے سرانجام دینے سے ہی دنیاوی و اخروی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔

سوشل میڈیا کے ہماری معاشرتی اور اخلاقی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں اور وہ کون سے محرکات ہیں جن کے باعث ہم جانے انجانے میں سوشل میڈیا کے مثبت ومنفی مواد کو شیئر کرتے ہیں؟ زیرِ نظر مضمون میں ان نکات کو اسلامی تعلیمات اور جدید تقاضوں کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے:

۱۔ سوشل میڈیا پر اکاؤنٹ بنانا

عصرِ حاضر میں سوشل میڈیا کی اہمیت سے کوئی شخص بھی انکار کرسکتا۔ فی نفسہ ٹویٹر، انسٹا گرام، اسکائپ اور فیس بک پر

☆ پی ایچ ڈی اسکالر منہاج یونیورسٹی، لاہور، ریسرچ اسکالر، FMRi،

اکاؤنٹ بنانا جائز ہے۔ اس کے جائز ومباح ہونے کی بنیاد اس امر پر قائم کی جائے گی کہ اس شخص کے سوشل میڈیا پر اکاؤنٹ بنانے کی وجہ کیا ہے؟ اگر کسی شخص نے اپنا اکاؤنٹ تبلیغ دین، اسلامی اَقدار پر مبنی معلومات فراہم کرنے، یا لوگوں کو اچھائی کی طرف راغب کرنے کی نیت کی غرض سے بنایا ہے تو ایسا کرنے والے کے لیے نہ صرف اکاؤنٹ بنانا جائز ہے بلکہ باعثِ اجر وثواب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا اکاؤنٹ صرف دنیاوی معلومات کے لیے ہے تو جائز ہوگا اور اگر وہ اس کے ذریعے گناہ کے فروغ اور برائی کے پھیلاؤ میں ملوث ہے تو یہ بالکل ناجائز اور حرام ہوگا۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو‘‘(سورۃ المائدۃ، ۵: ۲)

۲۔ جعلی (Fake) اکاؤنٹ بنانا

اسلام سچ بولنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر نہ صرف سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی ترغیب دلائی گئی ہے بلکہ جھوٹ بولنے والے کو زبانِ نبوی نے منافق قرار دیا ہے۔ آج سوشل میڈیا پر اپنے ناواقف فرینڈز سے جھوٹ بولنا اور اصل حقائق کے برعکس بیانات دینے کا رواج عام ہے۔ اسی طرح عموماً ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ بسا اوقات لوگ کسی مجہول یا فرضی نام سے اپنا اکاؤنٹ بنالیتے ہیں۔ ایسا کرنا اگر کسی کو دھوکہ دینے، فراڈ کرنے اور تجسس وغیرہ پیدا کرنے کے لیے ہو تو یہ ناجائز ہے اور اگر یہ مقصد نہ ہو تو جائز ہوگا۔

اگر ہم جعلی (Fake) اور غلط شناخت والے اکاؤنٹ ہولڈر کو اسلامی اَقدار کے پیرائے میں پرکھیں تو یہ عمل انتہائی قبیح اور قابلِ مذمت ہے۔ اس لیے کہ جعلی اکاؤنٹ (Fake Account) ہولڈر اپنی شناخت کو چھپا کر برائی پھیلانے اور دوسرے کو دھوکہ دینے کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے۔ اس عمل کی مذمت حدیث نبوی میں یوں بیان ہوئی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک تم لوگوں میں سب سے برا اس کو پاؤ گے جس کے دو چہرے ہوں گے، ایک کے پاس ایک چہرے سے ملاقات کرے گا اور دوسرے کے پاس دوسرے چہرے سے۔(بخاری، الصحیح، ج۶، ص ۲۶۲۶، حدیث نمبر: ۶۷۵۷)

اس حدیث کی روشنی میں جعلی اکاؤنٹ (Fake Account) ہولڈر کو ذو الوجہین یعنی دو چہروں والا تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ Friendship Request قبول کرنا

دورِ جدید میں دوستی کا معیار بھی تبدیل ہوچکا ہے۔ ہمارے اَسلاف کا یہ طرزِ عمل تھا کہ وہ اگر کسی کے ساتھ دوستی بھی کرتے تو نیک اور دین دار شخص کو ترجیح دیتے لیکن دورِ جدید میں دوستی کا ٹرینڈ بدل گیا۔ بسا اوقات سوشل میڈیا پر ہمیں دوستی قبول کرنے کے پیغامات ملتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال میں اس بندے کے کوائف کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ اگر بظاہر اس میں کسی قسم کی غیر اخلاقی بات نہیں پائی جاتی اور شرعی لحاظ سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں تو دوستی کی اجازت ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ اگر بعد میں ایسا معلوم ہوجائے کہ بندہ درست نہیں تو اُسے اَن فرینڈ کیا جانا ضروری ہوگا۔ نیز یہی امور دوستی کا پیغام بھیجنے میں بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہوں گے۔

۴۔ سوشل میڈیا پر تعلیمی و مفید پروگرامز میں شرکت

سوشل میڈیا کے استعمال کے باعث جہاں منفی اثرات ہیں، وہیں پر اس کے فوائد اور مثبت اثرات سے بھی کوئی ذی شعور اور فہم وفراست رکھنے والا شخص انکار نہیں کرسکتا۔ سوشل میڈیا پر تعلیمی یا مفید پروگرامز اور فورم میں شرکت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حکمت کی بات بندہ مومن کی گمشدہ متاع ہے، وہ اِسے جہاں پاتا ہے اس کا حقدار ہوتا ہے۔

(ترمذی، السنن، ج۵، ص ۵۱، رقم ۲۶۸۷)

سوشل میڈیا کے ذریعے مختلف پروگرامز کا انعقاد کرنا، جس میں عوام الناس کے لیے منافع اور لوگوں کو موجودہ مسائل سے متعلقہ رہنمائی میسر آسکے، جائز اور مستحسن امر ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب

شخص وہ ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع مند ہو۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، ج۱۲، ص۴۵۳، حدیث نمبر۱۳۶۴۶)

اس حدیث کی روشنی میں ایک مسلمان اسلامی اَقدار پر عمل کرتے ہوئے اپنے وجود کو دوسروں کے لیے نفع مند بناتا ہے نہ کہ مضر۔

۵۔ سوشل میڈیا پر تصاویر اَپ لوڈ کرنا

سوشل میڈیا کے سلگتے ہوئے مسائل میں سے اہم مسئلہ تصویر کا ہے۔ سوشل میڈیا پر تصویر محرم اور غیر محرم ہر ایک کے لیے اپ لوڈ کرنا اپنی زیب و زینت کے ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ جس طرح اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ کوئی آدمی یا عورت کسی غیر محرم کے سامنے اپنی زیب و زینت ظاہر کرے، یا اُس سے تنہائی میں بات کرے۔ یہی حکم غیر محرم خواتین کا اپنی تصاویر کسی دوسرے غیر محرم مرد کے لیے شیئر کرنے پر صادق آتا ہے۔ بسا اوقات تو ایسی ایسی بیہودہ اور فضول تصاویر اَپ لوڈ کی جاتی ہیں جو اَخلاقی اقدار کے منافی ہوتی ہیں، لہذا اس سے اجتناب برتنا چاہیے۔

۶۔ غیر تحقیقی مواد کی نشر و اشاعت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ (سورۃ الحجرات، ۶:۴۹)

حدیث نبوی قرآن کی وہ پہلی تفسیر ہے جو ہر حوالے سے تعلیماتِ قرآنیہ کے معارف، غوامض، رموز اور اِشارات کو بالتفصیل وبالتوضیح بیان کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اُسے آگے بیان کر دے۔ (صحیح مسلم، ۱:۱۰، حدیث نمبر۵)

مذکورہ بالا آیت و حدیث کا مفہوم بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ اس بات کو بیان کر رہا ہے کہ کوئی بھی بات بغیر تحقیق و تنقیح کے آگے بیان نہیں کرنی چاہیے۔ یہی اصول وضوابط ائمہ اسلام نے اپنائے۔ حصولِ حدیث کے دوران اگر انہیں کسی شخص کے متعلق جھوٹ بولنے کا پتا چلتا تھا تو وہ اُس شخص سے حدیث نہیں لیتے تھے۔ آج کے دور میں ہم کسی کی بات کی تصدیق کرنا گوارا نہیں کرتے، جونہی کسی کی بات سنتے ہیں، فوراً آگے بیان کرنے لگ جاتے ہیں اور دوسرے کی بیان کردہ بات کی توثیق و تصدیق اور بیان کرنے والے کی اَحوال و معاملات پر غور وخوض کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

بسا اوقات لوگ کچھ باتیں بغیر تحقیق کے آگے شیئر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حتی کہ ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو بے بنیاد باتوں کو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ اس کے متعلق ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے مجھے پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (بخاری، الصحیح، ج۱، ص۴۳۴، رقم:۱۲۲۹)

اس حدیث کے تناظر میں اُن لوگوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں جو نبی اکرم ﷺ کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی اسلامی مہینے کی مبارک باد دینے سے جنت واجب ہونے کی خوش خبری سنانا، کسی مقدس ہستی کا کسی کے خواب میں آنا اور دوسرے کو قسم دے کر کہنا کہ یہ پیغام اتنے لوگوں تک شیئر کرو تو تمہاری فلاں حاجت پوری ہوجائے گی وغیرہ۔ ایسی باتوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۷۔ اخلاقی اَقدار کی پامالی

کوئی بھی شخص اگر کسی کے اخلاق، نظریات اور اَفکار کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو اُسے چاہیے کہ اگر وہ اس پر تنقید کرتا ہے تو اَخلاقی حدود و قیود کا پاس رکھے۔ تنقید اور تاثرات کسی کی ذات کے لیے ایسے ہونے چاہئیں جو مخاطَب کے لیے نفع بخش ہوں جسے ہم عرفِ عام میں تنقید برائے تعمیر کہتے ہیں۔ کسی کی پوسٹ یا تحریر پر اپنا تبصرہ (comment) کرتے وقت تحقیق و تنقیح اور علمی اَغراض و مقاصد کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ اَخلاقی اَقدار کا پاس رکھنا وہ نیکی ہے جس کے بارے میں ہمارے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے روز بندہ مؤمن کے میزان میں حسنِ خلق

سے زیادہ کوئی چیز زیادہ وزنی نہ ہوگی۔
(ترمذی، السنن، ج۴، ص ۳۶۳، رقم: ۲۰۰۲)

۸۔ غیر اَخلاقی زبان استعمال کرنے پر وعید

دورانِ تبصرہ ہمارے الفاظ ہماری شخصیت کے آئینہ دار ہوں، لہجہ دلکش اور نرم ہو تاکہ مخاطَب کے دل و دماغ میں ضد، انانیت اور ہمارے لیے نفرت اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہو۔ اپنا تبصرہ (Comment) دیتے وقت تحقیق و تنقیح، علمی اَغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مگر حیف صد حیف ہے کہ آج کے دور میں طنز، شوروغوغا، طوفانِ بدتمیزی بپا کرنا لوگوں کا معمول بنا ہوا ہے۔ کیا ہم بے خبری میں کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ فضول، فحش اور لا یعنی گفتگو سے پرہیز کرنا ہی ایک مسلمان کا وطیرہ ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ فحش اور گندی زبان استعمال کرنے والے سے ناراض ہوتا ہے (ترمذی، السنن، ج۴، ص ۳۶۳، رقم: ۲۰۰۲)

اس حدیث کی روشنی میں دورانِ گفتگو اور تبصرہ کے وقت شستہ زبان استعمال کرنی چاہیے تاکہ کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔

۹۔ برائی کی تشہیر کرنا

کسی بُرے فعل کا ارتکاب کرنا اور اس کی تشہیر کرنا دونوں از روئے شریعت برائی کے زمرے میں آتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں انٹرنیٹ صارفین سوشل میڈیا پر مختلف اخلاق باختہ اشتہارات اور دیگر فحش مواد شیئر کرنے میں مصروفِ عمل رہتے ہیں اور ان کو یہ خبر تک نہیں ہوتی کہ وہ کس طرح اپنے نامہ اعمال میں گناہوں کا اضافہ کر رہے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو باطل کو ترک کرکے اُس کو موت دیتے ہیں اور حق کا ذکر کر کے اُسے زندہ رکھتے ہیں''۔ (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص ۵۵)

۱۰۔ سوشل میڈیا کے منفی استعمال پر وعید

اسلام وہ دینِ حق ہے جو اپنے ماننے والوں اور عمل کرنے والوں کو جزا (ثواب) اور اس کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والوں کو عقاب (سزا) جیسے فلسفہ سے شناسائی فراہم کرتا ہے۔ گلوبل ویلج بننے کی وجہ سے آج فکری تصادم اور تہذیبی ٹکراؤ میں سادہ لوح نوجوان اسلامی اَقدار کو پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں اور اسلامی اَفکار سے نابلد و ناآشنا ہیں۔ لہٰذا اس اَمر کی اشد ضرورت ہے کہ اسلامی اَخلاق کے عملی زاویے میں لوگوں کو ڈھالا جائے اور اُن کو فکری تربیت کے ساتھ عملی رہنمائی فراہم کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی برے طریقے کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔
(مسلم، الصحیح، ج۲، ص ۷۰۵، حدیث نمبر: ۱۰۱۷)

خلاصۂ کلام

سوشل میڈیا استعمال کرنے والی نوجوان نسل کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آپ کی پھیلائی گئی نیکی کی بات سے اگر لوگ استفادہ کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں گے تو اس بات کو شیئر کرنے والے کو اُن کے اَعمال کا بھی ثواب ملتا رہے گا۔ اسی طرح جو شخص فحش مواد، فحش تصاویر اور اخلاقیات سے گری ہوئی باتوں کو پھیلائے گا تو جتنے لوگ بھی اس پر عمل کریں گے، اُن کے حصے کا گناہ اس گناہ کے موجد اور پھیلانے والے کے نامۂ اعمال میں بھی جمع ہوتا رہے گا۔ لہٰذا سوشل میڈیا صارفین کو چاہیے کہ اس سہولت کو استعمال کرتے ہوئے ہر قدم پر دینِ اسلام کی تعلیمات اور اخلاقی اقدار کے فروغ کو ملحوظ رکھیں، اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح کا راز مضمر ہے۔

❁❁❁❁❁

منہاج یوتھ لیگ کا 32 واں یوم تاسیس

پورا پاکستان اپنے تمام تر ثقافتی رنگوں اور خوشبوؤں سمیت منہاج القرآن کے آنگن میں جمع ہوگیا

یوم تاسیس کی تقریب سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری و دیگر سینئر مرکزی رہنماؤں نے خطاب کیا

مرکزی صدر مظہر محمود علوی نے نیشنل یوتھ ایوارڈ کے اجراء کا اعلان کیا

خصوصی رپورٹ

منہاج یوتھ لیگ کے 32 ویں یوم تاسیس کی مرکزی تقریب 30 نومبر 2020ء کو مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن میں منعقد ہوئی۔ یوم تاسیس کی یہ تقریب کنونشن سنٹر اسلام آباد میں منعقد ہونا تھی مگر کووڈ 19 کے باعث اور مفادِ عامہ کے وسیع تر مفاد میں اس تقریب کو محدود کردیا گیا۔ تقریب میں بلوچستان، سندھ، خیبرپختونخوا، پنجاب، گلگت بلتستان اور کشمیر سے ذمہ داران شریک ہوئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پورا پاکستان اپنے تمام تر ثقافتی رنگوں اور خوشبوؤں سمیت منہاج القرآن کے آنگن میں جمع ہوگیا ہو۔

اس موقع پر چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ نظام بدلنے کی کنجی نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہرالقادری نے نوجوانوں کو تعلیم، تربیت اور ہمہ جہتی اصلاحات کا شعور دیا۔ مروجہ سیاسی نظام کو بدلنے کے حوالے سے منہاج یوتھ لیگ کے نوجوانوں کی خدمات اور قربانیاں پاکستان کی سیاسی، سماجی، مذہبی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں، یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ منہاج القرآن کلمہ حق بلند کرتی ہے اور حسینی فکر پر ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کیا ہے۔ منہاج یوتھ لیگ نوجوانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہے جس کا فوکس کردار سازی رہا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تربیت کا اثر ہے کہ منہاج یوتھ لیگ کے نوجوانوں نے نازک سے نازک مرحلہ پر بھی قلم کو ہاتھ سے گرنے نہیں دیا۔ میں اس پر انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

یوم تاسیس کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے خرم نواز گنڈاپور نے کہا کہ نوجوان اس ملک کا سرمایہ ہیں، ڈاکٹر طاہرالقادری نے اقتدار میں آئے بغیر نوجوانوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کیا اور انہیں سوسائٹی کا ایک انتہائی مفید رکن بنایا۔

منہاج یوتھ لیگ کے مرکزی صدر مظہر محمود علوی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ منہاج یوتھ لیگ آئندہ سال سے نیشنل یوتھ ایوارڈ کا اجراء کررہی ہے، یہ ایوارڈ ان باصلاحیت نوجوانوں کو دیا جائیگا جنہوں نے مختلف شعبہ جات میں پاکستان اور انسانیت کی خدمت انجام دی ہوگی۔

یوتھ لیگ کے سیکرٹری جنرل منصور قاسم اعوان نے منہاج یوتھ لیگ کے آئندہ اہداف کا اعلان بھی کیا۔ یوم تاسیس کی تقریب میں سندھ سے غلام مصطفیٰ، جنوبی پنجاب سے زاہد مصطفوی، کشمیر سے محسن مشتاق علوی، خیبرپختونخوا سے یاسر ریاض نے تقریب سے خطاب کیا اور اپنی اپنی علاقائی زبانوں میں اظہار خیال کیا۔ اس تقریب سے نائب ناظم اعلیٰ کوآرڈینیشن محمد رفیق نجم، صدر MSM عرفان یوسف، ساجد محمود بھٹی، فرح ناز، صدر ایم ایس ایم عرفان یوسف، منصور قاسم اعوان، حاجی فرخ، محسن شہزاد، انعام مصطفوی، محسن علوی نے خطاب کیا۔

تقریب میں نمایاں کارکردگی کے حامل ذمہ داران کو شیلڈز سے بھی نوازا گیا۔ تقریب میں منہاج یوتھ لیگ کی بنیادیں رکھنے والوں اور اسے بلند و بالا عمارت میں تبدیل کرنے والے سابقین نے بھی شرکاء سے خطاب کیا۔ تقریب سے ہم کلام ہونے کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا۔

تقریب میں نائب ناظم اعلیٰ میڈیا افیئرز نوراللہ صدیقی، ناظم سیکرٹریٹ جواد حامد، پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی نائب صدر راجہ زاہد محمود نے خصوصی شرکت کی۔ ❁❁❁❁

انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ محترم حافظ مبین جرال ایڈووکیٹ (منہاجین سیشن 2010ء)، محترم عمر حیات (نائب صدر MYL جنڈ) کے والد محترم، محترم حافظ محمد احمد قادری (سابق ناظم TMQ بہاولپور) کے والد محترم پیر خواجہ محمد رستم علی قادری فیضوی، محترم ریحان خان سعیدی ایڈووکیٹ منہاجین کے بھائی محترم محمد عمران خان، محترم حافظ محمد اعجاز قادری (ناظم دعوت TMQ رحیم یار خان) کے والد محترم محمد غلام قاسم، محترم نور آصف قادری (آفس بوائے) کی دادی ساس، محترم سید سرور شاہ (سرپرست یونٹ کوٹ نجیب اللہ) کے چچا محترم پیر سید محمد شاہ (سجادہ نشین دربار عالیہ قادریہ امانیہ گنجیاں شریف، ہری پور) قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزہ واقارب انتقال فرماگئے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ محترم طیب ضیاء (سیکرٹری کوآرڈینیشن تنظیمات) کے والد محترم علامہ حافظ ممتاز احمد ضیاء (سرپرست TMQ علماء کونسل نارووال)

☆ محترم رئیس احمد (شعبہ سٹاک ٹیکنگ مرکزی سیکرٹریٹ) کے والد محترم

☆ محترم ڈاکٹر محمد ظہور اللہ الازہری (سابق پرنسپل کالج آف شریعہ) کی ہمشیرہ محترمہ

☆ محترم رضا طاہر (ڈیزائنر سوشل میڈیا) کے چچا جان ☆محترم محمد اظہر عباسی منہاجین (لیکچرار شریعہ کالج) کے والد محترم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران اور کارکنان تحریک نے مرحومین کے انتقال پر گہرے غم و رنج کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت و بلندی درجات کی خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

قائد ڈے نمبر فروری 2021ء

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 70 ویں سالگرہ کے موقع پر حسبِ روایت امسال بھی ماہنامہ منہاج القرآن قائد ڈے نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل کررہا ہے۔ یہ شمارہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قومی و بین الاقوامی سطح پر امن و محبت کے فروغ اور بیداریٔ شعور کیلئے کی جانے والی ہمہ جہتی خدمات پر مشتمل ہوگا۔

اس سلسلے میں آپ بھی ماہنامہ منہاج القرآن کو اپنی خصوصی معیاری تحریریں بجھواسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں قائد ڈے کے موقع پر آپ کی طرف سے **مبارکبادی پیغامات** کی صورت میں اشتہارات کی بکنگ بھی جاری ہے۔

آپ اپنی تحریر، مضامین اور اشتہارات سے متعلقہ اشاعتی مواد مورخہ 8 جنوری 2021ء تک ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور ارسال کرسکتے ہیں۔

فون: 042-111-140-140 Ext-128، mqmujallah@gmail.com

منہاج یوتھ لیگ کا 32واں یوم تاسیس

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
JAN-2021
LAHORE
Regd CPL No.41

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی

انقلابی و فکری اور عصری موضوعات پر 600 سے زائد کتب